EJAZ MIRZA.

اشتیاق احمد

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعے کے خطبے میں جب کہ ہزاروں کا مجمع ہوتا تھا، پُرزور الفاظ میں یہ ارشاد فرماتے تھے کہ اما بعد، بہترین بیان اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، بہترین نمونہ اور سیرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور وہ کام بُرے ہیں جو نئے گھڑے جائیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

(مشکوٰۃ، جلد ۱، صفحہ ۲۷۔ مسلم، جلد ۱، صفحہ ۲۸۵)

○

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مدینہ منورہ مقامِ علیہ سے لے کر مقامِ ثور تک حرام ہے، سو جس نے اس میں کوئی بدعت ایجاد کی یا کسی بدعتی کو پناہ دی تو اس پر اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہو، نہ تو اس کی فرض عبادت قبول کی جائے گی نہ نفل۔

(مشکوٰۃ ، جلد ۱، صفحہ ۲۴۸۔ بخاری، جلد ۲، صفحہ ۱۰۸۴۔ مسلم، جلد ۱، صفحہ ۱۴۴)

○

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبیِٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے بدعتی کے عمل کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے، جب تک کہ وہ اپنی بدعت کو ترک نہ کر دے ۔

(ابنِ ماجہ، صفحہ ۶)

○

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبیِٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی بدعتی کا نہ روزہ قبول کرتا ہے نہ نماز، نہ صدقہ قبول کرتا ہے نہ حج نہ عمرہ، اور نہ جہاد اور نہ کوئی فرض عبادت قبول کرتا ہے نہ نفل عبادت، بدعتی اسلام سے ایسے خارج ہو جاتا ہے جس طرح گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکل جاتا ہے ۔

(ابنِ ماجہ، صفحہ ۶)

السلام علیکم!

اس مرتبہ دنیا پر ایک بڑی طاقت کا پول کھل کر رہ گیا ہے۔ آپ نے محسوس کر ہی لیا ہو گا۔ اگر نہیں تو میں محسوس کرا دیتا ہوں۔ عراق امریکہ جنگ نے کیا آپ کو چونکایا نہیں۔ بھئی اس قسم کی باتیں تو میں اپنے ناولوں میں لکھ کر آپ کو چونکاتا رہتا ہوں۔ اب آپ نہ چونکیں تو اس میں میرا کیا قصور۔ جی ہاں۔ اب بھی نہیں سمجھے۔ تو پھر میں یہی کہہ سکتا ہوں۔ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی۔

بات دراصل یہ ہے کہ اس جنگ میں امریکہ کا ساتھ اٹھائیس ملکوں نے دیا ہے۔ کیا یہ بات آپ کو عجیب نہیں لگی۔ بلکہ یہ بات تو آپ کو عجیب تر لگنی چاہیے تھی۔ اور اگر اس سے بھی دو ہاتھ آگے لگ جاتی تو بھی کوئی حرج نہیں تھا۔ دیکھیے نا۔ اول تو

امریکہ اپنے آپ کو بگ پاور کہتا ہے۔ دُنیا کی سب سے بڑی طاقت ہونے کا دعویٰ کرتا ہے ___ دُوسری طرف روس بھی اس قسم کے دعوے کرتا ہے۔ لیکن اس وقت ہم صرف امریکہ کی بات کر رہے ہیں، کیونکہ اس جنگ کا براہِ راست تعلق امریکہ سے ہے۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ امریکہ خود کو بگ پاور کہتے نہیں تھکتا۔ اور انھوں نے کیا کیا کچھ جنگی آلات ایجاد نہیں کر لیے، ان کا ذکر کرتے نہیں تھکتا۔ ایسی باتیں بھی سُننے میں آئی ہیں کہ ہم چاہیں تو پوری دُنیا کو صرف تین منٹ میں ختم کر دیں۔

لیکن اس جنگ نے ہمیں بہت کچھ بتا دیا ہے، پہلی بات یہ بتا دی ہے کہ کسی بھی چھوٹے سے چھوٹے مُلک کو امریکہ سے ڈرنے کی ہرگز کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ یہ تو ایک مُلک سے لڑنے کے لیے اپنے ساتھ اٹھائیس مُلکوں کو مدد کے لیے بُلاتا ہے۔ تب کہیں جا کر حملے کی جرأت کرتا ہے۔ بلکہ دیکھا جائے تو جرأت اس وقت بھی اس میں نہیں ہوتی۔ اٹھائیس مُلکوں کو اپنے ساتھ ملا کر صرف اور صرف ایک مُلک پر حملہ کرنا، اگر بہادری کے زمرے میں

آتا ہے تو پھر واقعی امریکہ بہادر ہے اور ایسا بہادر ہے
کہ اس جیسا بہادر دنیا دیکھ نہیں سکے گی اور اس
کی بہادری کے گیت مدتوں گائے جائیں گے۔

ویسے ایک بات ہے۔ شرم نام کی کوئی چیز ان
بے چاروں کے پاس نہیں ہے۔ نہ ان لوگوں نے چلّو بھر
پانی میں ڈوب مرنے کا تجربہ کبھی کیا ہے۔ ورنہ یہ
اس وقت اس سے فائدہ ضرور اٹھاتے اور چلّو بھر
پانی میں ڈوب مرتے۔ کوئی حد ہے۔ ایک ملک
کے مقابلے میں انتیس ملک۔ وہ بھی جدید ترین اسلحے
سے لیس۔

آپ میرے اکثر ناولوں میں پڑھ چکے ہوں گے،
یہ بڑی طاقتیں صرف الفاظ کی حد تک بڑی طاقتیں
ہیں۔ صرف اور صرف گیدڑ بھبکیاں دینے کی حد تک
بڑی طاقتیں ہیں۔ ورنہ ان میں دم خم نہیں ہے،
نہ جرأت ہے، نہ بہادری کے جراثیم ان کو چھو کر
گزرے ہیں۔ اگر خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ
اگر دنیا میں پیدا ہو جائے تو ان کے پتّے پانی ہو
جائیں۔ چلیے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ
تو بہت دور کی بات ہیں۔ میں تو کہتا ہوں

ایک سلطان صلاح الدین ایوبی پیدا ہو جانے تو ان کے چھکے اکیلا چھڑا دے۔ اور یہ امریکہ کے آگے پانی بھرتے نظر آئیں۔ لیکن ہمارا حال کیا ہے۔ ہم ہر دم یہ خیال کرتے رہتے ہیں۔ ہم ہی نہیں، ہماری ہر حکومت۔ یہ خیال کرتی ہے۔ اگر ہم نے امریکہ کو خوش نہ رکھا تو وہ یہ کر دے گا۔ وہ کر دے گا۔ امداد نہیں ملے گی۔ اسلحہ نہیں ملے گا۔ یہ نہیں ملے گا، وہ نہیں ملے گا۔ ہم نے کبھی نہیں سوچا کہ سب کچھ تو اللہ رب العزت کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ چاہیں گے تو سب کچھ مل جائے گا۔ امریکہ ہوتا کون ہے دینے والا۔ دینے والی ذات تو بس ایک اللہ کی ہے۔ تو کیوں نہ اسی سے مانگا جائے۔

اگر امریکہ کچھ بگاڑنے کے قابل ہوتا تو اتحادی ملکوں سے مدد کیوں مانگتا۔ تو ہم ایسے اللہ سے کیوں نہ مانگیں جو خود کسی کی مدد کا محتاج نہیں ہے۔ امریکہ تو ایک عراق سے جنگ لڑنے کے لیے دوسروں کا محتاج ہے۔ وہ ہمیں کیا دے سکتا ہے۔ ہاں دے سکتا ہے تو صرف ایک چیز۔ اور وہ ہم اس سے برابر حاصل کر رہے ہیں۔ آپ سوچ میں پڑ گئے

ہوں گے کہ وہ کیا ۔ وہ شے ہے ذہنی غلامی ۔

وہ ذہنی غلامی کا زہر مسلسل ہمارے اندر پھیلاتا جا رہا ہے ۔ اور اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ ہم اس ذہنی غلامی سے اپنا دامن بالکل بچا کر رکھیں ۔ صرف یہ سوچ کر ۔ کہ امریکہ ہے کیا ۔ وہ تو خود انہی ملکوں کی مدد جب تک حاصل نہیں کر لیتا ۔ ایک ملک پر حملہ نہیں کر سکتا ۔۔

یکم اپریل ۱۹۹۱ء

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ:

- یہ وقت نماز کا تو نہیں —
- آپ کو سکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا —
- کل آپ کا کوئی ٹیسٹ یا امتحان تو نہیں —
- آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا —
- آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا۔

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ہو۔

تو ناول الماری میں رکھ دیں۔ پہلے نماز اور دوسرے کاموں سے فارغ ہو لیں، پھر ناول پڑھیں۔ شکریہ!

مخلص:

اشتیاق احمد

رُوح آ گئی

اخبار میں وہ چھوٹی سی خبر پڑھ کر سالک جامی اُچھل پڑا، اس کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں۔ خبر کے الفاظ یہ تھے :

"ملک کے مشہور تاجر انتقال کر گئے۔

کل مورخہ ۲۰ نومبر کو دل کا دورہ پڑنے سے معروف صنعت کار اور تاجر سالک جامی انتقال کر گئے، انھیں ان کے آبائی قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔ مرحوم نے اپنے پیچھے تین بیٹے، دو بیٹیاں اور ایک بیوہ چھوڑی ہے۔ مرحوم کے گھر تعزیت کے لیے آنے والوں کا تانتا بندھا ہوا ہے۔ مرحوم حد درجے سخی، غریبوں کے ہمدرد اور فلاحی کاموں میں حد درجے دلچسپی رکھنے والے انسان تھے۔"

اس نے خبر کو ایک بار پھر پڑھا۔ اس وقت وہ ایک

ہوٹل کے ہال میں کھانا کھا رہا تھا اور یہ ہوٹل اس کے اپنے مُلک میں نہیں، ایک دُوسرے مُلک میں واقع تھا، گویا وُہ تو اپنے مُلک میں تھا ہی نہیں، پھر وہاں اس کا انتقال کس طرح ہو گیا تھا، یہ بات اس کے لیے حد درجے حیرت انگیز تھی، اگر وُہ اپنے ملک میں ہوتا اور کسی دوسرے شہر کے ہوٹل میں یہ خبر پڑھتا تو وہ ضرور یہ خیال کرتا کہ کوئی حادثہ ہو گیا ہو گا۔ اس بس مرنے والوں میں سے ایک کو غلطی سے اس کے گھر والوں نے پہچان لیا ہو گا اور اس طرح اس کی موت کا اعلان کر دیا گیا، لیکن مشکل تو یہ تھی کہ موت دل کا دورہ پڑنے سے لکھی تھی۔ اس میں چہرہ وغیرہ بگڑنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اور پھر میت کو دفنایا بھی گیا تھا، اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ اس کے گھر میں کوئی مرا ضرور ہے۔ لیکن اس کے گھر والوں نے مرنے والے کو اس کا نام کس طرح دے دیا۔ کہیں میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا۔ یہ خیال آتے ہی اس نے اپنی انگلی چبا لی۔ تکلیف کی وجہ سے اس کی چیخ نکل گئی۔ پاس سے گزرتا ہوا بیرا گھبرا کر رک گیا اور بولا:

"کیا ہوا صاحب؟"

"کک۔ کچھ نہیں۔" اس نے بوکھلا کر کہا۔

"ٹھہرو بھئی۔ ذرا یہ اخبار دیکھنا۔ کیا یہ آج کا ہی ہے؟"
"جی۔ جی ہاں بالکل۔ آج کا ہے۔ کیا آپ پڑھے لکھے نہیں ہیں؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔
"بالکل پڑھا لکھا ہوں۔ اچھا یہ بتاؤ۔ یہ برطانیہ کا شہر ہے نا؟"
"جی ہاں! آج آپ ایسی باتیں کیوں پوچھ رہے ہیں؟"
"مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے۔ جیسے اس وقت میں حقیقت میں یہاں موجود نہیں ہوں۔ خواب دیکھ رہا ہوں۔ کیا میں خواب دیکھ رہا ہوں؟"
"آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہیں جناب" بیرے نے بُرا سا منہ بنایا۔
"اچھا تو پھر یہ خبر پڑھو۔ ابھی سمجھ میں آ جائیں گی۔"
بیرے نے جلدی جلدی خبر پڑھی: پھر بولا:
"اس خبر میں کیا بات ہے جناب؟"
"یہ کہ میرا نام سالک جامی ہے۔"
"جی۔ کیا مطلب؟"
"ہاں! یہ میری موت کی خبر چھپی ہے۔ جب کہ میں زندہ سلامت یہاں موجود ہوں۔ ان حالات میں میں اگر یہ خیال کر رہا ہوں کہ میں ایک خواب تو نہیں دیکھ رہا تو

کیا غلط کر رہا ہوں"۔

"اوہ! میں سمجھ گیا جناب" بیرا مسکرا کر بولا۔

"کیا سمجھ گئے۔ کچھ مجھے بھی سمجھاؤ"

"یہ کہ۔ آپ کے خلاف ایک عدد سازش کی گئی ہے"

"وہ۔ وہ کیسے؟"

"کچھ لوگ آپ کی جائیداد حاصل کرنے کے چکر میں ہیں۔ انھوں نے آپ کے میک اپ میں کسی کو دل کے دورے سے مرنے پر مجبور کر دیا ہے"

"کیا کہہ رہے ہو بھئی۔ بھلا وہ کسی کو دل کے دورے سے مرنے پر کس طرح مجبور کر سکتے ہیں"

"آج کل تو یہ عام ہو رہا ہے جناب۔ جس شخص کو مارنا ہو۔ اسے ایسی دوائیں دے دی جاتی ہیں کہ اس کا دل پھٹ جاتا ہے۔ لہٰذا ڈاکٹری رپورٹ یہی کہتی ہے وہ دل کے دورے سے مر گیا"

"لیکن جب دنیا میں اصل آدمی موجود ہو تو وہ کس طرح اپنا مطلب حاصل کر سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ یہ تجربہ اصل آدمی پر کیوں نہیں کر لیتے۔ اس کے لیے کسی دوسرے کو مرغا بنانے کی کیا ضرورت ہے"

"ایسا بھی کیا جاتا ہے۔ آپ کے معاملے میں کیں نہیں

جانتا۔ آپ کی طرف کیا حالات ہیں۔ کیوں ایسا کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی۔ یہ تو آپ کو وہاں چل کر ہی معلوم ہوگا۔"

"تب تو پھر مجھے فوراً اپنے گھر چلے جانا چاہیے۔"

"ہاں! آپ کو تو اب ایک دن بھی یہاں نہیں رُکنا چاہیے۔" بیرا بولا۔

اس نے جلدی جلدی بل ادا کیا اور اپنا سامان اٹھا کر باہر نکل آیا۔ اس نے گھر والوں کے لیے بہت سی قیمتی چیزیں خرید رکھی تھیں۔ اس کے بچّوں نے جن چیزوں کی فرمائش کی تھی۔ وہ سب چیزیں خرید چکا تھا۔ اتفاق کی بات کہ آسے جانے والے جہاز پر سیٹ بھی مل گئی۔ چار گھنٹے بعد اس کی ٹیکسی اپنے گھر کے سامنے رُکی۔ اس نے سامان اُتار کر نیچے رکھا، ٹیکسی والے کو بل ادا کیا اور دروازے کی گھنٹی بجائی۔ اندر گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی۔ اور پھر اس کے ملازم جانی نے دروازہ کھولا۔ جونہی اس کی نظر اس پر پڑی، وہ چلّا اُٹھا:

"بھوت۔ بھبھوت۔ بھوت۔" اور یہ چلّاتا ہوا وہ الٹے قدموں واپس دوڑ پڑا۔ اس نے سامان ایک ایک کر کے اُٹھایا اور اندر رکھ دیا۔ اتنے میں دوڑتے قدموں کی آواز سُنائی دی۔ اُس کے بیٹے اور بیٹیاں اور بیوی چلے آ رہے

تھے ۔ اچانک وُہ رک گئے ۔ ان کی آنکھوں میں خوف دوڑ گیا ۔ وُہ سب خوف زدہ ہو کر مڑے اور بھاگ کھڑے ہوئے ۔ ان کے چہروں پر اس نے خوف کا ایسا عالم دیکھا تھا کہ کیا کبھی کسی چہرے پر دیکھا ہو گا ۔

" تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے ۔ دیکھو میں آیا ہوں ۔ سالک جامی ۔ تمھارا ابو بیگم ۔ تمھارا شوہر آیا ہے ۔ یہ کیا مذاق ہے ، تم لوگ خوف زدہ ہو کر کیوں دوڑ رہے ہو ؟ "

اگرچہ وُہ جانتا تھا کہ وہ کیوں دوڑ رہے ہیں ، لیکن اس کے باوجود وُہ یہ الفاظ کہنے پر مجبور ہو گیا ، وہ آگے بڑھا ۔ تمام کمروں کے دروازے بند تھے ۔ گھر پر موت کا سناٹا طاری تھا ۔ وہ ایک بار پھر چلّایا :

" امجد ۔ اختر ۔ فاخر ۔ سونی ۔ چندا ۔ بیگم ۔ تم لوگوں کو آخر ہو کیا گیا ہے ۔ دیکھو میں آیا ہوں ۔ آخر تم لوگ دروازے کیوں بند کر رہے ہو مجھ پر ۔ میں اپنے گھر میں آیا ہوں یا کسی غیر کے گھر میں ؟ "

" نن ۔ نہیں ۔ نہیں ۔ آپ ۔ آپ تو مر چکے ہیں ۔ آپ کس طرح آ سکتے ہیں " ۔ اس کی بیٹی سونی نے روتے ہوئے کہا ۔

" ہاں ! بالکل ۔ آپ مر چکے ہیں ۔ ہم نے تو آپ کو دفنا بھی دیا ہے ۔ آپ بھلا کس طرح آ سکتے ہیں " ۔ بڑا

لڑکا اختر بلند آواز میں بولا۔

" میں نہیں جانتا ۔ جس شخص کو تم نے دفنایا۔ وہ کون تھا ۔ میں تو یہ جانتا ہوں کہ میں سالک جامی ہوں ۔ اس گھر کا مالک۔ ارے بھئی میں برٹائن گیا تھا یا نہیں ؟"

" اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ برٹائن گئے ، لیکن اس وقت باہر آپ موجود نہیں ہیں ۔ آپ کی رُوح موجود ہے۔ اور آپ جانتے ہی ہیں ۔ رُوحوں سے سب ڈرتے ہیں "

" اوہ ۔ تو تم لوگ یہ سمجھ رہے ہو کہ باہر میں خود نہیں ۔ میری روح موجود ہے ۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے ۔ سنو ۔ تم نے جس شخص کو دفنایا ۔ وُہ کوئی اور تھا ۔ میں رُوح نہیں ، انسان ہوں ۔ دروازہ کھولو اور مجھے تفصیل سے سناؤ ۔ میں تو باہر گیا ہوا تھا ، پھر میں یہاں کیسے ہو سکتا تھا "

" کیسے ہو سکتے تھے ۔ یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے ، آپ برٹائن سے واپس آ گئے تھے ۔ آپ کا فون ہمیں ملا تھا کہ میں فلاں فلائٹ سے واپس آ رہا ہوں ۔ ہم آپ کو لینے ایر پورٹ پر گئے تھے ۔ آپ کو لے کر گھر آئے تھے ، پھر آپ نے ہمیں ہمارے تحائف دیے تھے ۔ اور اس کے بعد اچانک آپ کی طبیعت خراب ہو گئی تھی ، پھر ڈاکٹر کو بلایا گیا تھا ، لیکن آپ کی موت واقع ہو گئی ،

ڈاکٹر نے بتایا کہ ہارٹ فیل ہو گیا ہے۔ اس کے بعد ہم خوب روئے، خوب روئے۔ اور پھر آپ کو دفنا دیا گیا۔ اب آپ کہہ رہے ہیں کہ وہ کوئی اور تھا۔ بھلا یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟"

"ہاں! یہ ہو سکتا ہے۔ یہ ہو چکا ہے۔ اصل سالک ہمامی میں ہوں۔ وہ کوئی اور تھا۔ میرے میک اپ میں یہاں آیا تھا۔ وہ کوئی سازشی ذہن لے کر آیا تھا، لیکن قدرت نے اسے مہلت نہیں دی اور وہ دل کے دورے سے مر گیا۔ اگر وہ نہ مرتا تو پھر وہ یہاں رہ کر نہ جانے کیا کچھ کرتا اور کتنا کچھ لوٹ کر لے جاتا۔ اب تم لوگ دروازے کھول دو۔ اللہ کا شکر ادا کرو۔ کہ میں زندہ ہوں۔"

"نہیں۔ نہیں۔ آپ ضرور ان کی روح ہیں۔" بیگم نے چلا کر کہا۔

"اُف مالک۔ اب میں ان لوگوں کو کس طرح یقین دلاؤں"۔ اس نے اپنے بال نوچ ڈالے۔

"اس کی ضرورت نہیں۔ بس آپ اللہ کے لیے یہاں سے چلے جائیں۔"

"اچھا! میں جا رہا ہوں۔ اگر تم یہی چاہتے ہو تو میں جا رہا ہوں، لیکن بہت جلد تم لوگوں کو اپنی غلطی

کا احساس ہوگا، اس وقت اگر میری ضرورت محسوس ہو تو اخبار میں اشتہار دے دینا۔ میں لوٹ آؤں گا۔ ہاں۔" اس نے دکھ بھرے لہجے میں کہا اور سامان وہیں چھوڑ کر باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد آہستہ آہستہ دروازے کھلنے شروع ہو گئے، پھر سب سے پہلے جانی ایک کمرے سے نکلا۔ اس نے بیرونی دروازے تک جا کر دیکھا، پھر اعلان کیا:

"ان کی روح چلی گئی ہے۔ آپ لوگ کمروں سے باہر آ سکتے ہیں۔"

اور وہ سب باہر نکل آئے۔ باہر پڑا سامان دیکھ کر ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، کیونکہ یہ بالکل وہی سامان تھا۔ جو اس سے پہلے آنے والے صاحب لے کر آئے تھے۔ سامان کو کھول کر دیکھا تو ان کی حیرت اور بڑھ گئی۔ وہ تمام تحائف موجود تھے۔ جن کی انھوں نے فرمائش کی تھی۔ لیکن وہ تمام تحائف تو مرنے والا پہلے ہی لا چکا تھا۔ حیرت کی بات تھی۔ اب اس روح کو یہ تمام چیزیں دوبارہ لانے کی کیا ضرورت تھی۔

"یہ۔ یہ کیا چکر ہے بھئی؟"

"میرا خیال ہے۔ ہمیں کسی مولوی صاحب کو بلانا چاہیے،

وُہ کچھ پڑھ کر ہمارے گھر پر پھونک دے۔ اس طرح شاید ہم رُوح سے بچ جائیں"۔

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔ میں ابھی جا کر مولوی فارُوق صاحب کو بلا کر لاتا ہوں، میری ان سے بہت اچھی علیک سلیک ہے"۔ فاخر نے جلدی جلدی کہا۔

"جلدی جاؤ"۔ بیگم سالک نے کہا۔ اور فاخر اسی وقت گھر سے نکل گیا۔

"یہ بیٹھے بٹھائے کیا مصیبت آ گئی"۔

"حیرت تو یہ ہے کہ روح یہ تمام تحائف کس طرح لے آئی"۔

"بھئی رُوحوں کو تو ہر بات معلوم ہوتی ہے"۔ سونی نے کانپ کر کہا۔

جلد ہی فاخر مولوی فاروق کے ساتھ گھر کے اندر داخل ہوا، وُہ راستے میں ہی انھیں سب کچھ بتا چکا تھا:

"پہلے تو مجھے وُہ سامان دکھایا جائے۔ جو وہ رُوح لے کر آئی ہے"۔ مولوی صاحب نے کہا۔

"یہ رہا سامان"۔ فاخر بولا۔

مولوی صاحب سامان کے پاس اکڑوں بیٹھ گئے اور ایک ایک چیز کو ٹٹول ٹٹول کر دیکھنے لگے۔ پھر انھوں نے

سارے گھر کا جائزہ لیا اور آخر بولے :

" اصل بات تو اسی وقت معلوم ہو سکے گی ، جب رُوح صاحبہ دوبارہ تشریف لائیں گی۔ اس وقت مجھے یہاں موجود ہونا چاہیے، لیکن ہوگا یہ کہ جب رُوح آئے گی تو آپ مجھے بلانے کے لیے دوڑیں گے۔ اور اتنی دیر میں رُوح صاحبہ چلی جائیں گی ۔ یہ چکر یونہی چلتا رہے گا اور کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔"

" تو پھر اس کا کیا حل ہے ؟"

" اس کا حل یہ ہے کہ آپ مجھے چند دن تک یہیں رہنے دیں۔"

" آپ خوشی سے یہاں رہ سکتے ہیں۔" اختر نے خوش ہو کر کہا۔

" میں ابھی اپنے گھر والوں کو بتا کر آتا ہوں اور ہاں ۔ اس سامان کو ہاتھ نہ لگائیں ۔ یہ روح کا سامان ہے۔ بہتر تو یہ ہوگا کہ میں اس سارے سامان کو یہاں سے کہیں اور منتقل کر دوں۔"

" یہ ۔ یہ ٹھیک رہے گا ۔ لے جائیں آپ یہ سب — ہمیں نہیں ضرورت۔" بیگم سالک نے فوراً کہا۔

" لے تو جاتا ہوں ، لیکن ڈر ہے کہ کہیں رُوح مجھے نہ

چمٹ جائے۔ اگر ایسا ہو گیا تو میں تو کہیں کا نہیں رہوں گا۔"

"اوہ۔ تو پھر۔ کیا کسی اور کو بلائیں اس سامان کو اٹھانے کے لیے۔" چندا بولی۔

"نہیں خیر۔ میں ہی لے جاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر مولوی صاحب سامان اٹھانے لگے۔ سارا سامان تو ان سے ایک ہی بار اُٹھ نہ سکا۔ لہٰذا وہ دو تین قسطوں میں سامان اٹھا کر لے گئے۔ اور تھوڑی دیر بعد وہاں آ گئے:

"اب میں اس رُوح کو دیکھ لوں گا۔ آپ لوگ بے فکر ہو جائیں۔"

"بہت بہت شکریہ مولوی صاحب۔ ہم آپ کی خدمت کر دیں گے۔ آپ فکر نہ کریں۔"

"مجھے فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔" مولوی صاحب بولے۔

وُہ اپنے کام کاج میں مصروف ہو گئے۔ مولوی صاحب صحن میں بیٹھ کر وظیفہ پڑھنے لگے۔ اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ انھوں نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ جانی نے لرز کر کہا:

"کک۔ کون ؟"

"میں ہوں۔ سالک جامی۔"

"ارے باپ رے۔ پھر آ گئی رُوح۔" جانی نے چیخ

کر کہا۔

سب نے اپنے اپنے دروازے بند کر لیے۔ فاخر نے چلّا کر کہا:

"مولوی صاحب۔ وہ آ گئے۔ اب کیجیے کچھ۔"

"نف۔ فکر نہ کریں۔ مَیں دیکھ لوں گا۔"

یہ کہہ کر مولوی صاحب اُٹھے اور دروازے پر آ گئے:

"اے بد رُوح۔ اب۔ میں اندر موجود ہوں۔ تم یہاں سے چلے جاؤ۔"

"کون ہو تم؟" باہر سے سالک جامی نے چلّا کر کہا۔

"میں۔ میں اس محلے کا مولوی۔ مولوی فاروق۔ وُہ دم کروں گا کہ تمہارے جسم میں آگ لگ جائے گی۔"

"میں کہتا ہُوں۔ دروازہ کھولو۔" باہر سے سالک جامی نے غرّا کر کہا۔

"تم تو رُوح ہو۔ دروازہ کھولے بغیر اندر کیوں نہیں آ جاتے؟" مولوی صاحب بولے۔

"بے وقوف انسان۔ میں روح ووح نہیں ہوں۔ جیتا جاگتا انسان ہوں اور میرا نام سالک جامی ہے۔ یہ گھر میرا ہے۔ یہاں میرے بیوی اور بچے رہتے ہیں۔ سُنا تم نے۔ اب دروازہ کھول دو، ورنہ مجھ سے بُرا کوئی نہ ہو گا۔

میں اپنے ایک دوست کو ساتھ لے کر آیا ہوں۔ تاکہ وہ میرے گھر والوں کو یقین دلا سکے۔ میرا یہ دوست میرے ساتھ برطانیہ گیا تھا، لیکن مجھ سے صرف ایک دن پہلے واپس آ گیا تھا۔ اسی روز یہاں میرے انتقال کی خبر اڑائی گئی تھی۔ میرا یہ دوست بتائے گا۔ کہ اس دن تو میں اس کے ساتھ برطانیہ کے ایک ہوٹل میں موجود تھا۔ پھر بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ یہاں انتقال کرنے والا میں ہوں۔"

"کچھ بھی کہو۔ دروازہ نہیں کھلے گا۔"

"بھئی یہ کیا مصیبت ہے۔ دروازہ کھولو۔ میں ارمان خان ہوں۔ سالک کا دوست۔"

"ارے! یہ تو واقعی انکل ارمان خان کی آواز ہے۔" چندا نے چونک کر کہا۔

"تو پھر کیا کریں۔ ان کے ساتھ وہ روح بھی تو ہے"

"اوہو۔ میرے ساتھ کوئی روح نہیں ہے۔ دروازہ کھولو۔" ارمان خان نے کہا۔

"مولوی صاحب دروازہ کھول دیں، یہ ہمارے ابّو کے دوست ہیں۔"

"دیکھ لیں۔ روح بھی باہر موجود ہے۔"

"کیا کیا جائے۔ اب ابّو کے دوست کو باہر تو نہیں کھڑا رکھا جا سکتا۔"

"جیسے آپ لوگوں کی مرضی۔ میں نے تو سوچا تھا۔ روح کو باہر رکھ کر ہی جلا کر بھسم کر دوں گا۔"

"آپ ایسا کریں کہ دروازہ کھول کر صرف ابّو کے دوست کو اندر آنے دیں، روح کو باہر رہنے دیں۔"

"یہ۔ یہ میں کس طرح کر سکتا ہوں۔" مولوی صاحب نے گھبرا کر کہا۔

"کیوں! آپ آخر مولوی صاحب ہیں۔ روحوں کو بھگانے کے ماہر ہیں۔"

"اوہ ہاں واقعی۔ اچھا! میں کھولتا ہوں۔"

مولوی صاحب نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا اور پھر فوراً ہی سالک جامی اور ارمان خان اندر آ گئے۔ انھوں نے مولوی صاحب کو ایک طرف دھکیل دیا:

"بھائی یہ آپ کیا کر رہی ہیں۔ گھر کے مالک کو باہر نکالے دے رہی ہیں۔"

"گھر کے مالک تو فوت ہو چکے ہیں اور ہم انھیں دفن بھی کر چکے ہیں، آپ اس وقت کہاں تھے؟"

"میں ٹرین کے راستے آ دھر آ رہا تھا۔ اس لیے ایک

دن دیر سے پہنچا۔"

"آپ بیٹھ جائیں۔ ہم جانتے ہیں، آپ ابّو کے دوست ہیں۔" سونی نے کہا۔

"نہیں۔ میرے ساتھ میرا دوست بھی بیٹھے گا۔ آپ لوگ یقین کریں۔ یہ روح نہیں ہیں۔ یہ دیکھیں۔ میں انھیں چھو رہا ہوں۔ روحوں کو چھوا تو نہیں جا سکتا نا۔"

"ہاں! یہ تو ہے۔" بیگم نے جلدی سے کہا۔

"مولوی صاحب آپ کیا کہتے ہیں، رُوحوں کو چھوا جا سکتا ہے؟"

"ن۔ نہیں۔" مولوی صاحب بولے۔

"تب پھر۔ دیکھ لیں۔ میں انھیں چھو رہا ہوں۔" یہ کہہ کر انھوں نے سالک کو اپنے ساتھ چمٹا لیا۔

"ارے۔ یہ کیا۔ یہ۔ یہ تو واقعی رُوح نہیں ہیں۔"

"اگر یہ رُوح نہیں تو پھر۔ یہ ضرور کوئی بہروپیا ہے، جس نے ہمارے ابّو کا رُوپ دھار لیا ہے۔"

"اوہو۔ کیا مصیبت ہے۔ اب گنگا دوسری طرف چل پڑی۔" سالک نے جھلّا کر کہا۔

"گنگا۔ کون گنگا؟" مولوی صاحب بولے۔

"مولوی صاحب آپ تو جائیں۔ اس معاملے سے ہم خود

نبٹ لیں گے"۔ ارمان خان نے منہ بنایا۔

"جی بہت اچھا"۔ اس نے کہا اور باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔

ارمان خان نے اٹھ کر دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

"پہلی بات تو یہ ہے بھابی۔ کہ یہ واقعی سالک جامی ہیں، میں اس بات کا گواہ ہوں"۔

"آپ یہ گواہی نہیں دے سکتے۔ اس لیے کہ ہم نے انھیں ان آنکھوں سے دم توڑتے دیکھا ہے"۔

"وہ جو کوئی بھی تھا۔ کم از کم سالک جامی نہیں تھا"۔ ارمان خان نے کہا۔

"اور میں کہتی ہوں۔ یہ سالک جامی نہیں ہیں۔ آخر کسی کو کیا ضرورت پڑ گئی تھی۔ سالک صاحب کا روپ دھار کر یہاں آنے کی اور پھر مر جانے کی؟"

"یہ تو اب دیکھنا پڑے گا بھابی"۔

"تو کیا آپ چاہتے ہیں۔ ہم انھیں اپنے گھر میں ٹھہرنے کی اجازت دے دیں"۔

"یہ ان کا گھر ہے۔ اس میں اجازت کی کیا ضرورت ہے"۔

"دل نہیں مانتا۔ کیوں نہ اس سلسلے میں ہم کسی سے مدد لے لیں"۔

"یہ اچھی تجویز ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ مدد کس سے لیں؟"

"کوئی ایسا آدمی۔ جو ہماری اس اُلجھن کو دُور کر دے، کیوں نہ ہم اپنے وکیل کو بُلا لیں"۔ بیگم سالک نے کہا۔

"اوہ ہاں! یہ ٹھیک رہے گا"۔

اسی وقت وکیل کو فون کیا گیا۔ آدھ گھنٹے بعد وُہ وہاں پہنچ گیا، لیکن جونہی وُہ کمرے میں داخل ہوا، بُری طرح لڑکھڑا گیا۔ چہرے کا رنگ اڑ گیا:

"یہ۔ یہ کیا۔ یہ۔ یہ کون ہیں؟"

"سرمد راضی صاحب۔ میں سالک جامی ہوں۔ حیرت ہے، آپ نے مجھے پہچانا نہیں"۔

"ارے باپ رے، لیکن ہم نے تو آپ کو دفن کر دیا تھا۔ آپ قبر سے کس طرح نکل آئے؟"

"اسی سلسلے میں آپ کو بلایا گیا ہے۔ میں آپ کو ساری بات بتاتا ہوں"۔ ارمان خان نے کہا۔

"آپ نہیں۔ میں بتاؤں گی"۔ بیگم سالک نے جلدی سے کہا۔

"چلیے آپ ہی بتائیں"۔

بیگم سالک نے ساری تفصیل سنا دی۔ وکیل سرمد راضی نے سالک جامی کی طرف دیکھا:

"آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟"

اس نے اپنی کہانی سُنا دی۔ وکیل کے چہرے پر اُلجھن کے آثار نمودار ہو گئے۔ اس نے ارمان خان کی طرف دیکھا، ارمان خان نے بیگم سالک جامی کی تائید کی۔

"اس کا سیدھا سادا حل یہ ہے کہ ہم ان سے سالک صاحب کے دستخط کرا کے دیکھ لیتے ہیں" آخر وکیل نے کہا۔

"اوہ ہاں! یہ ٹھیک رہے گا" بیگم سالک نے خوش ہو کر کہا۔

"ضرور کیوں نہیں۔ لائیے"

ایک کاغذ پر اس سے دستخط کرا کے دیکھے گئے۔ پھر ان کو پہلے دستخطوں سے ملا کر دیکھا گیا۔ دونوں میں قطعاً کوئی فرق نظر نہ آیا۔

"یہ تو بالکل ایک ہیں"

"اس شخص نے سالک صاحب کے دستخطوں کی مشق کر رکھی ہو گی۔ یہ ایک نمبر کا دھوکے باز ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ یہ اپنے ساتھ وہ تحائف بھی لے آیا تھا۔ جن کی ہم نے سالک صاحب سے فرمائش کی تھی۔ اور مزے کی بات یہ ہے کہ اصل سالک صاحب وہ تحائف پہلے ہی لا چکے ہیں۔ دیکھ لیں۔ وہ یہاں موجود ہیں" بیگم سالک نے کہا۔

"گویا دو دو تحائف یہاں موجود ہیں"۔ ارمان خان نے فوراً کہا۔

"جی۔ جی نہیں۔ ان کے والا سامان تو مولوی صاحب یہاں سے اٹھا کر لے گئے ہیں"۔

"وہ کیوں؟" ارمان خان چونکا۔

اب انہیں اس کیوں کا جواب دینا پڑا۔

"اوہ۔ تو وہ سامان مولوی صاحب ٹھگ کر لے گئے۔ ان سے واپس لانا پڑے گا۔ خیر یہ کام میں خود کر لوں گا"۔ وکیل صاحب بولے۔

"اب کیا کیا جائے؟" ارمان خان نے کہا۔

"میرے ذہن میں ایک نام آ رہا ہے۔ میرا خیال ہے، وہ اس مسئلے کو حل کر سکیں گے"۔ وکیل نے کہا۔

"اور وہ کون ہے؟"

"انسپکٹر جمشید"۔ اسی نے کہا۔

"اوہ۔ انسپکٹر جمشید صاحب واقعی۔ تجویز معقول ہے"۔

"تو پھر ہم اسی وقت ان سے رابطہ قائم کرتے ہیں"۔

سرمد راضی نے انسپکٹر جمشید کے نمبر انکوائری سے پوچھے اور جلدی جلدی نمبر گھمانے لگا۔ دوسری طرف سلسلہ ملتے ہی ایک خاتون کی آواز سنائی دی:

"یہ انسپکٹر جمشید کا گھر ہے۔ فرمائیے؟"

"انسپکٹر صاحب سے بات ہو سکتی ہے؟"

"اس وقت چار بجے ہیں۔ وہ گھر پانچ بجے آتے ہیں، آپ دفتر فون کر لیں۔"

"اوہ شکریہ! دفتر کا نمبر بتا دیں۔"

بیگم جمشید نے نمبر بتا دیے۔ اب سرمد راضی نے دفتر کے نمبر گھمائے۔ دوسری طرف سے جلد ہی انسپکٹر جمشید کی آواز سنائی دی:

"میں ایک وکیل ہوں انسپکٹر صاحب ۔ اور میرا نام سرمد راضی ہے۔"

"فرمائیے! میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"ایک بہت اُلجھا ہوا معاملہ ہے، فون پر وضاحت کرنا مشکل ہو گا۔ آپ گھر پر یا دفتر میں کچھ وقت دے سکتے ہیں؟"

"ضرور ۔کیوں نہیں ۔ میں پانچ بجے تک دفتر میں ملوں گا اور اس کے بعد گھر۔ آپ جہاں بھی آسانی سے آ سکیں۔"

"بہت بہت شکریہ جناب۔" یہ کہہ کر وکیل نے ریسیور رکھ دیا۔

"میں تو سمجھ رہا تھا کہ نہ جانے اس شخص سے ملنا کس قدر مشکل ہو گا، لیکن اس نے تو فوراً ملاقات کا

وقت دے دیا۔ شاید اس کی مقبولیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ خیر۔ میں نے سوچا ہے، گھر پر ہی ملاقات کر لیتے ہیں۔"

"ہاں! یہ بہتر رہے گا۔"

"تو پھر تیاری کریں۔ پانچ بجنے میں اب دیر ہی کتنی ہے۔"

وہ پانچ بجے کے قریب گھر سے نکلے اور سوا پانچ بجے انسپکٹر جمشید کے گھر کے سامنے پہنچ گئے۔ وکیل نے آگے بڑھ کر گھنٹی کا بٹن دبایا۔ چند سیکنڈ بعد ہی دروازہ کھلا:

"کیا آپ سرمد راضی ہیں؟"

"جی ہاں بالکل۔" اس نے کہا۔

"تشریف لے آئیں۔"

انھیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا گیا۔ ایک منٹ بعد بھاری قدموں کی آواز سنائی دی۔ اور مناسب قد کا ایک خوش شکل آدمی چہرے پر مسکراہٹ لیے ڈرائنگ روم میں داخل ہوا:

"فرمائیے۔ میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"یہ ارمان خان ہیں۔ یہ بیگم سالک جامی ہیں۔ یہ ان کے بچے ہیں۔ اور ان کے بارے میں ابھی ہم کچھ نہیں

کہ سکتے۔"

"یعنی آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ سالک جامی ہیں یا نہیں۔"
انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"جی کیا مطلب؟" وہ بُری طرح اُچھل پڑے۔ ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

بھائی گم ہو گیا

محمود نے انگڑائی لے کر جو ہاتھ گرائے تو دایاں ہاتھ فاروق کے سر سے ٹکرایا:

"یہ انگڑائی لینے کا کون سا طریقہ ہے" فاروق نے جھلا کر کہا۔

"دراصل میں بھول گیا تھا کہ انگڑائی بھی طریقے سے لینی چاہیے۔"

"اگر تمہارے بھولنے کی یہی رفتار رہی تو پھر میں تو گیا کام سے" فاروق نے برا سا منہ بنایا۔

"کام سے جانا تو اچھی بات ہے۔ تم شوق سے کام سے جاؤ۔ میں کوئی اعتراض نہیں کروں گا۔"

فاروق جلدی جلدی بستہ سمیٹنے لگا، یہ دیکھ کر محمود نے حیران ہو کر کہا:

"کہاں جا رہے ہو؟"

"کام سے جا رہا ہوں ۔ تمہیں تو کوئی اعتراض نہیں ہے نا؟" فاروق نے کہا۔

"اوہ ہاں ! میں تو بھول ہی گیا تھا ۔ کہ ..." محمود نے کہنا چاہا۔

"بس بس۔ اب یہ جملہ نہ کہنا ۔ میں تو بھول ہی گیا تھا" فاروق تلملا کر بولا۔

"جب تک ہم اس شخص سے مل نہیں لیتے ۔ تم کام سے بھی نہیں جا سکتے" محمود مسکرایا۔

"کس شخص کی بات کر رہے ہو۔ مجھے تو یہاں شخص نام کی کوئی چیز نظر نہیں آ رہی"۔

"بھئی اب تم عینک لگوا ہی لو"۔

"انکل حبیب الرحمٰن سے بات کروں گا" فاروق نے فوراً کہا۔

"اس میں ان سے بات کرنے کی کیا بات ہے ۔ بھئی وہ آنکھوں کے ڈاکٹر ہیں۔ چیک کریں گے اور عینک لگا دیں گے"۔

"اچھے ڈاکٹر پہلے دوا کے ذریعے علاج کرتے ہیں، پھر عینک لگانے کی بات کرتے ہیں ۔ اور وہ بھی آنکھوں کے اچھے ڈاکٹر ہیں آخر کو"۔

"لیکن آخر کو کیوں ۔ شروع کو کیوں نہیں" محمود نے

حیران ہو کر کہا۔

"اب تم سے کون مغز مارے۔ ہاں میں اس شخص کی بات کر رہا تھا۔ جو آنے والا ہے اور جس نے ہم سے درخواست کی تھی کہ ہم اس کا انتظار کریں۔"

"پتا نہیں کس شخص کی بات کر رہے ہو۔ میں تو ایسے کسی آدمی کو نہیں جانتا۔"

"بھئی اس نے فون کیا تھا۔ میں تمھیں بتانا بھول گیا ہوں گا۔"

"آج تم بھولنے کے علاوہ اور کر ہی کیا رہے ہو۔" فاروق جل گیا۔

"شاید تم ٹھیک ہی کہتے ہو۔ اب میں خمیرہ گاؤزبان عنبری جواہر والا کھانا شروع کروں گا۔"

"لیکن سنا ہے۔ وہ تو بہت مہنگا ہوتا ہے۔ اور اب تو مہنگائی اور بڑھ گئی ہے۔ اس کے ریٹ تو آسمان سے باتیں کر رہے ہوں گے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں زمین پر اُتار کر بات کر لوں گا۔" محمود مسکرایا۔

"کس۔ کس کو؟"

"خمیرے کو۔ اور کس کو۔"

"لیکن آسمان پر خمیرہ نہیں۔ خمیرے کے ریٹ پہنچے ہوئے ہوں گے۔"

"چلو تو کیا ہوا۔ ریٹ صاحب کو بھی اُتار لیں گے۔"

"شاید آج ہم نے کام کی بات نہ کرنے کی قسم کھالی ہے۔" فاروق نے کہا۔

"کام سے جانے میں یہی تو برائی ہے۔ آدمی کام کی بات بھی تو نہیں کر سکتا۔"

"شاید آج تم میں میری رُوح حلول کر گئی ہے۔ اور مجھ میں تمہاری۔"

"چلو خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو۔" محمود خوش ہو گیا۔

"میں سمجھ گیا۔ آج تم سے نہیں جیت سکتا۔ تم نے شاید کوّوں سے دوستی گانٹھ لی ہے۔"

"لیکن میں ہنس کی چال پھر بھی نہیں چلتا۔"

"ارے تو کیا میں ہنس کی چال چلتا ہوں۔" فاروق نے جھلا کر کہا۔

"لو۔ وُہ آ گیا۔" محمود چونکا۔

"کون۔ ہنس۔ یا کوا؟"

"تمہارا سر۔" محمود نے بھنا کر کہا۔

"لیکن بات میرے سر کی کب ہو رہی تھی ۔ کوے اور ہنس کی ہو رہی تھی۔" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ارے بھئی ۔ وہ آ گیا ہے جس کا ہم انتظار کر رہے تھے۔" محمود نے کہا ۔

"چلو اچھا ہوا ۔ اب کم از کم انتظار تو نہیں کرنا پڑے گا ۔ اس کم بخت انتظار سے میں بہت پریشان ہوتا ہوں، میرے لیے اگر کوئی کام مشکل ہے تو انتظار کرنا۔"

"اچھا ہو گا ۔ میرے پیچھے ہاتھ دھو کر کیوں پڑ گئے ہو۔"

"م ۔ یں ۔ ن ۔ نہیں تو ۔ ہاتھ تو میں نے گھر سے چلتے وقت بھی دھوئے تھے۔"

"برا کیا تھا ۔ آیندہ دھوئے بغیر نہ نکلنا۔"

"بہت بہتر ۔ شکریہ ۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ صاحب ہم سے چاہتے کیا ہیں؟"

"یہ تو مجھے بھی معلوم نہیں ۔ اب معلوم ہو گا۔" محمود نے کندھے اچکائے ۔

اتنے میں وہ شخص نزدیک آ گیا :

"آپ محمود اور فاروق ہیں نا؟"

"ہمیں یہاں بلا کر ہمارے نام پوچھ رہے ہیں۔" فاروق نے اسے گھورا ۔

"اوہ معاف کیجیے گا۔ غلطی ہو گئی" وہ گھبرا گیا۔

"اب بتائیے۔ آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟"

"میں بہت پریشان ہوں"

"لیکن ہم پریشانی کے ڈاکٹر نہیں ہیں" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"تو کیا میں نے غلط سنا تھا" اس کے لہجے میں بھی حیرت تھی۔

"کیا مطلب۔ کیا آپ نے یہ سنا تھا کہ ہم لوگ پریشانی کے ڈاکٹر ہیں" محمود کے لہجے میں بلا کی حیرت در آئی۔

"ہاں جناب! میں نے سنا تھا۔ آپ لوگوں کی پریشانیاں دور کرنے میں بہت شہرت رکھتے ہیں"

"ایک تو ہم اس شہرت سے تنگ آ گئے ہیں۔ ہر جگہ ٹپک پڑتی ہے۔ ہے کوئی تُک"

"ج۔ جی پتا نہیں"

"کیا پتا نہیں" فاروق نے جھنا کر کہا۔

"یہ کہ کوئی تُک ہے یا نہیں"

"اوہ۔ آپ تو ہمارے بھی کان کاٹ لیں گے۔ لہٰذا جلدی سے بتائیے۔ ہم سے کیا کام ہے؟"

"میرا بڑا بھائی گم ہے۔ بیس دن سے۔ پولیس اب تک

کچھ نہیں کر سکی۔"

"آپ کا بڑا بھائی۔ بیس دن سے گم ہے، لیکن وہ بچے تو نہیں ہیں۔" فاروق بولا۔

"جی ہاں! میرا خیال ہے۔ انہیں اغوا کیا گیا ہے۔ میں نے اپنا یہ خیال پولیس کو بھی بتا دیا تھا، لیکن وہ ٹو ٹس سے مس نہیں ہوئی۔"

"یہی تو اس میں بری بات ہے۔ خیر آپ فکر نہ کریں، یہ شکایت آپ کو ہم سے نہیں ہو گی۔ ہم خوب ٹس سے مس ہوں گے۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"آپ کا نام کیا ہے جناب؟" محمود نے منہ بنا کر پوچھا۔

"میں اسحاق جوتی ہوں۔"

"اسحاق جُوتی۔ یہ کیا نام ہوا؟" فاروق حیران رہ گیا۔

"جُوتی نہیں۔ جَوتی۔ جَوت جگانا نہیں سُنا آپ نے؟"

"اچھا آپ وہ والے جَوتی ہیں؟" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"اس میں اس قدر خوش ہونے کی کیا بات ہے؟" اس نے بُرا سا منہ بنایا۔

"تو پھر کس میں اس قدر خوش ہونے کی بات ہے؟"

"اوہو۔ میں۔ اب کیا کہوں؟"

"آپ صرف کام کی بات کریں۔ ورنہ بہت دُور نکل جائیں گے۔ یہ حضرت اس کام کے ماہر ہیں۔"

"مطلب یہ کہ باتوں کے میدان میں ہیں بہت دور لے جانے کا ماہر ہوں۔ کہیں آپ کچھ اور نہ سمجھ جائیں۔ پہلے ہی آپ کے بھائی گم ہیں۔"

"آپ کا نام اسحاق جوتی ہے۔ اور آپ کے بھائی کا نام۔ حلیہ؟"

"اس کا نام آفاق جوتی۔ یہ رہیں اس کی تصاویر۔" اس نے کئی تصاویر ان کے سامنے گھاس پر پھیلا دیں۔

دونوں تصاویر کو دیکھتے رہے:

"رپورٹ کہاں درج کرائی تھی؟"

"تھانہ مغل گنج۔"

"اب تفصیل سنائیں۔" محمود نے کہا۔

"آج سے بیس دن پہلے وہ گھر سے دفتر کے لیے روانہ ہوئے۔ دوپہر کے قریب دفتر والوں کا فون آیا کہ آج آفاق صاحب کیوں نہیں آئے۔ تو ہم بہت حیران ہوئے۔ دفتر والوں کو بتایا کہ وہ تو صبح اپنے وقت پر دفتر گئے ہیں۔ اس کے بعد ان کی تلاش شروع ہوئی، لیکن ان کا کہیں پتا نہ چلا۔ ان کے تمام دوستوں سے پوچھ لیا گیا۔ رشتے داروں

سے پُوچھا، لیکن وہ کہیں بھی نہ مل سکے آخر تھانہ مغل گنج میں رپورٹ درج کرائی گئی، لیکن پولیس بھی ان کا کوئی سُراغ نہ لگا سکی۔"

"گھر سے جاتے وقت وہ پریشان تو نہیں تھے؟"

"جی نہیں۔ معمول کے بالکل مطابق تھے۔ خوش گوار موڈ میں۔"

"اب ہمیں اس سے اگلے روز کے اخبارات بھی دیکھنا پڑیں گے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"جی وہ کیوں؟"

"یہ دیکھیں گے کہ اس روز شہر میں کوئی حادثہ تو نہیں ہوا۔"

"اگر ایسا ہوتا تو ہمیں فوراً اطلاع مل جاتی۔ بھائی جان کی جیبوں میں ان کے کاغذات ہر وقت رہتے ہیں۔ ان میں شناختی کارڈ بھی ہوتا ہے۔ اور دوسرے کارڈز بھی۔ وہ ایک انجنیئر ہیں۔ اور اچھے عہدے پر فائز۔"

"ہوں، تاہم کیا آپ نے اس سے اگلے دن کے اخبارات دیکھے تھے؟"

"جی ہاں! اس روز شہر میں کوئی حادثہ نہیں ہوا۔"

"اچھی بات ہے۔ ہم آپ کے بھائی کو تلاش کریں گے، آپ فکر نہ کریں اور گھر جائیں۔"

"گھر جاؤں۔ میں تو آپ سے بہت امیدیں لے کر آیا تھا۔"

"ہم ابھی اور اسی وقت کام شروع کر رہے ہیں۔ ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہنے کے عادی نہیں ہیں۔ آپ بے فکر ہو کر جائیے۔ اور ہاں اپنا پتا لکھ کر دے دیں۔ یہ تصاویر ہم آپ کو بعد میں دیں گے۔ فی الحال ہمارے پاس رہیں گی۔"

"ضرور جناب کیوں نہیں۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

"کیا وہ بیوی بچوں والے آدمی ہیں؟"

"جی ہاں! ان کے تو پانچ بچے ہیں۔"

"اور آپ کے کتنے بچے ہیں؟"

"میری ابھی شادی نہیں ہوئی۔" اس نے شرما کر کہا۔

"آپ کیا کرتے ہیں؟"

"ابھی میں پڑھ رہا ہوں۔"

"شکریہ! اب آپ جا سکتے ہیں۔"

وہ ان سے ہاتھ ملا کر چلا گیا۔

"کیا خیال ہے؟"

"پہلے ہم تھانہ مغل گنج چلیں گے۔ معلوم تو ہو، انھوں نے اب تک کیا کیا ہے۔"

دونوں نے بستے اُٹھائے اور تھانے پہنچے۔ ایس ایچ او اپنی کُرسی پر بیٹھا اونگھ رہا تھا:

"ہم آپ کی نیند میں خلل ڈال سکتے ہیں جناب؟"
"کک۔ کون۔ کون ہو تم؟" اس نے بھنا کر کہا۔
"آنکھیں کھول کر دیکھیں تو پتا چلے گا نا۔ کون ہیں ہم؟"
اس نے غصے میں آکر آنکھیں پوری طرح کھول
دیں اور پھر چونک اُٹھا:
"اوہو۔ آپ۔ آپ" وہ ہکلایا۔
"آفاق جوتی کے سلسلے میں اب تک آپ نے کیا
کچھ کیا ہے؟"
"آفاق جوتی۔ کون آفاق جوتی؟"
"ایک انجنیئر جو بیس دن پہلے گم ہوا تھا۔"
"اوہ اچھا۔ آپ اس کی بات کر رہے ہیں۔"
"ہاں! کر تو رہے ہیں۔ اب آپ بات کریں۔"
"اس کا ابھی تک کوئی سراغ نہیں لگا۔"
"یہ بات ہم جانتے ہیں۔ آپ یہ بتائیں۔ آپ نے
اب تک اس سلسلے میں کیا کیا ہے؟"
"ہر طرف تلاش کر چکے ہیں جناب"
"فائل دکھائیں۔"
اس نے گھنٹی بجائی اور پھر اندر آنے والے کانسٹیبل سے
کہا: آفاق جوتی کی فائل لے آؤ۔"

"جُوتی نہیں۔ جوتی۔"

"ہاں ہاں وہی۔ منہ سے غلط نکل گیا۔" اس نے گڑبڑا کر کہا۔

انھوں نے فائل کا مطالعہ کیا اور فوراً جان گئے کہ ایس ایچ او صاحب نے سرے سے کوئی کوشش کی ہی نہیں۔ نہ اپنے ماتحتوں سے کوئی کام لیا۔ ان حالات میں سُراغ ملتا بھی کیسے۔

"تین دن کے اندر اندر اگر آپ نے آفاق صاحب کا سُراغ نہ لگایا تو آپ کی جواب طلبی ہو گی۔ یہ سُن لیں آپ۔"

"جی۔ جی۔ وُہ۔ ہم بھلا کیا کر سکتے ہیں۔ وُہ خود کہیں روپوش ہو گیا ہو۔ آخر ہم کس طرح تلاش کریں۔"

"اور اسے خود روپوش ہونے کی کیا ضرورت تھی؟"

"کوئی گھریلو جھگڑا ہو گا اور کیا۔"

"آپ تو یہاں بیٹھے ہی سارا کیس حل کر لیتے ہیں۔" محمود نے طنزیہ کہا۔

"یہی تو ہمارا کمال ہے جناب۔"

"چاہے۔ بات کچھ بھی ہو آپ کو تین دن کے اندر اندر آفاق صاحب کو تلاش کرنا ہو گا۔"

"جی بہتر۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

فائل میں سے ضروری باتیں نوٹ کر کے وُہ باہر آئے، آفاق جوتی کے گھر پہنچے۔ اس وقت اسحاق جوتی گھر نہیں تھا۔ لہٰذا آفاق کی بیوی سے بات کرنا پڑی۔ تعارف کے بعد محمود نے پُوچھا:

"اس روز آپ کا ان سے کوئی جھگڑا تو نہیں ہوا تھا؟"

"جی بالکل نہیں۔ ہم تو مثالی میاں بیوی ہیں۔ ہم میں کبھی لڑائی نہیں ہوئی۔ میں ان کی ہر ضرورت اور ہر عادت کا خیال رکھتی ہوں۔ وہ بھی مجھے کبھی کوئی شکایت کا موقع نہیں دیتے۔ ان حالات میں بھلا لڑائی کیسے ہو؟"

"ان کا اس روز اپنے بھائی سے جھگڑا ہوا تھا؟"

"کیا بات کرتے ہیں۔ وُہ تو انھیں اپنی اولاد کی طرح چاہتے ہیں۔ والدین کی وفات کے بعد انھوں نے ہی تو اس کی پرورش کی تھی۔"

"ہوں! ان کے اپنے دوستوں سے کس قسم کے تعلقات تھے؟"

"ان کا صرف ایک دوست ہے۔ اس کا نام ریاض بشیر ہے۔ وُہ ایک آرٹسٹ ہے۔ بچپن کا دوست ہے۔ سکول کے زمانے کا۔ اس سے اکثر ملنے جاتے ہیں۔ وُہ بھی آتا رہتا ہے۔ اس سے بھی کبھی کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔" اس نے جلدی جلدی بتایا۔

"ہُوں! گم ہونے سے ایک دو روز پہلے۔ کوئی ان سے ملنے آیا تھا؟"

"جی نہیں۔ ایسی بھی کوئی بات نہیں۔"

"اچھا شکریہ۔ ہم اپنی پوری کوشش کر رہے ہیں۔ اِن شاءَ للہ بہت جلد انھیں تلاش کر لیں گے۔ آپ فکر نہ کریں۔"

"بہت بہت شکریہ۔ آپ نے اتنی اُمید تو دلائی۔ پولیس نے تو ہمدردی کے دو بول بھی نہیں بولے۔ بچّوں کا رو رو کر بُرا حال ہے۔ میری اور اسحاق کی کیا حالت ہے۔ یہ ہم ہی جانتے ہیں۔"

"ہم اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اچھا خیر۔"

وُہ باہر نکل آئے۔

"میرا خیال ہے۔ اس روز کے آس پاس کے اخبارات ہی دیکھنا پڑیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ گھر چلتے ہیں۔ وہاں تمام اخبارات موجود ہی ہیں۔"

دونوں گھر پہنچے۔ فرزانہ کہیں نظر نہ آئی۔

"خیریت تو ہے امّی جان۔ یہ صاحبہ کہاں غائب ہیں؟"

"ایک پارٹی میں گئی ہے۔ اس کی سہیلی کے والد نے ایک بڑی دعوت کا اہتمام کیا ہے۔ تم دونوں کو بھی بُلایا

ہوا ہے، لیکن چونکہ فرزانہ کو جلد جانا تھا۔ اس لیے وُہ پہلے چلی گئی۔"

"خیر۔ ہم اب چلے جائیں گے۔ اگر جانے کی ضرورت محسوس کی۔ کارڈ کہاں ہیں؟"

"تمھارے کمرے میں۔"

دونوں کمرے میں آئے۔ کارڈ دیکھا۔ دعوت دینے والے کا نام اکبر لاشا تھا۔ اس سے پہلے فرزانہ نے اپنی کسی سہیلی کے والد کا یہ نام نہیں لیا تھا۔ یا تو یہ کوئی نئی سہیلی تھی یا پھر فرزانہ تعارف کرانا بھول گئی تھی۔ بہرحال انھوں نے کارڈ جیب میں رکھ لیا اور لائبریری میں آئے۔ اخبارات انھوں نے میز پر پھیلا لیے اور لگے بیس دن پہلے کے اخبارات اور اس کے چند روز بعد کی خبریں دیکھنے۔ آفاق جوتی کی پُر اسرار گم شدگی کو بھی اخبارات نے نمایاں جگہ دی تھی۔ اس کی تصاویر بھی شائع کی تھیں۔ یہ وہی تصاویر تھیں جو اسحاق نے انھیں بھی دی تھیں۔

ایک گھنٹے تک اخبارات کا مطالعہ کرنے کے بعد بھی انھیں کوئی کام کی بات نہ مل سکی۔ آخر وُہ تنگ آ گئے اور لائبریری سے باہر نکل آئے:

"میرا خیال ہے، اس معاملے میں فرزانہ سے مشورہ لینا

پڑے گا۔ شاید اس کے دماغ میں کوئی بات آجائے۔" محمود نے کہا۔

" اور اگر وہ بھی کچھ نہ کر سکی۔ تو پھر ہم ابا جان سے بات کریں گے۔"

" تو پھر کیوں نہ پہلے..." محمود کہتے کہتے رک گیا۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بجی تھی۔ محمود نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے فرزانہ کی غصیلی آواز سُنائی دی:

" اوہ تو تم اب تک یہیں ہو۔ اور یہاں میں تم دونوں کا انتظار کر رہی ہوں۔"

" کیوں۔ انتظار کرنے کی ایسی کیا ضرورت پیش آگئی؟"

" میری سہیلی تم سے ملنے کی بہت خواہش مند ہے۔ بلکہ اس کے ابو بھی۔"

" اچھی بات ہے۔ ہم آ رہے ہیں۔ ہمیں بھی تم سے ایک کام ہے۔"

" مجھ سے کام۔ اور میں سمجھ گئی۔" فرزانہ نے شریر انداز میں کہا۔

" کیا سمجھ گئیں؟"

" یہ کہ۔ کوئی بات تمہاری عقل کے خانے میں نہیں سما رہی ہو گی۔"

"تم۔ تم۔ اچھا خیر۔ سمجھ لیں گے تم سے۔" محمود نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"الجبرے کے علاوہ اور ہر چیز سمجھا سکتی ہوں۔ کھلی چھٹی ہے۔" فرزانہ نے ہنس کر کہا اور محمود نے جھلا کر ریسیور رکھ دیا۔

دونوں موٹر سائیکل پر بیٹھ کر کارڈ پر لکھے پتے پر پہنچے۔ یہ ایک شان دار کوٹھی تھی۔ دروازے پر باوردی ملازم کھڑے تھے۔ وہ کارڈ دیکھ کر مہمانوں کو اندر جانے دے رہے تھے۔ انھوں نے بھی کارڈ دکھایا اور اندر داخل ہو گئے، فرزانہ کو انھوں نے دور سے ہی دیکھ لیا۔ وہ ایک لمبے قد کی لڑکی کے ساتھ کھڑی ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی۔ ابھی اس نے انھیں نہیں دیکھا تھا۔

اچانک دونوں بری طرح چونکے۔ اور پھر تیزی سے آگے بڑھے۔ ان کے دل زور زور سے دھڑک رہے تھے:

"السلام علیکم!" نزدیک پہنچ کر محمود نے دبی آواز میں کہا۔

"وعلیکم السلام۔ لیکن اس قدر دبی آواز میں السلام علیکم کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہاں السلام علیکم کہنا منع تو نہیں ہے۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"پہلے ہمارے ساتھ اندر چلو۔ ایک ضروری بات ہے۔" محمود نے حد درجے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"اوہو بھئی۔ اس خوش گوار ماحول کو اس قدر سنجیدہ لہجے سے اداس نہ بناؤ۔ ان سے ملو...؟"

"ابھی ملتے ہیں۔ یہ بدتمیزی ضرور ہے، لیکن ہم اس وقت بہت مجبور ہیں۔ اُمید ہے۔ آپ معاف فرمائیں گی۔"

یہ الفاظ محمود نے اس لڑکی سے کہے۔

"اوہ کوئی بات نہیں۔ ویسے تو میں جان ہی گئی ہوں، آپ محمود اور فاروق ہیں۔ اور میں ہوں فرزانہ کی سہیلی ہُما لاشا۔"

"شکریہ۔ بس ہم ابھی آئے۔"

محمود نے یہ کہہ کر فرزانہ کو بازو سے پکڑا اور کوٹھی کے اندرونی حصّے کی طرف تیز تیز چلنے لگا۔

"اوہو۔ کیا مصیبت آ گئی ہے۔"

"آئی نہیں۔ لیکن اگر ہم نہ آ جاتے تو ضرور آ جاتی۔" فاروق نے کہا۔

"کیا مطلب۔ کیا مصیبت تم دونوں کو دیکھ کر بھاگ گئی ہے؟"

"ابھی کہاں بھاگی۔ بھگانے کا کام تو ابھی کرنا ہے۔"

"آج تمھارا پہیلیوں میں باتیں کرنے کا تو پروگرام نہیں۔"

"تم جانتی ہی ہو۔ ہمیں پہیلیوں سے چڑ ہے۔"

آخر ایک خالی کمرے میں جا کر انھوں نے دم لیا۔ دروازہ اندر سے بند کر لیا:

"اب اپنے بالوں کو ٹٹولو" محمود نے کہا۔

فرزانہ نے حیران ہو کر اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرا تو اس کے ہاتھوں میں ایک ہیر کلپ آگیا:

"ارے! یہ میرے بالوں میں کہاں سے آگیا؟"

"فرزانہ اسے جلدی سے دُور پھینک دو۔ یہ ایک پُراسرار آدمی نے عین اس وقت تمہارے بالوں سے چپکایا تھا۔۔۔ جب ہم اندر آرہے تھے۔ تم اس وقت ہُما سے باتیں کر رہی تھی۔ وہ اس صفائی سے تمہارے قریب سے گزرا اور یہ لگاتا چلا گیا کہ تمہیں احساس تک نہ ہو سکا۔ شاید یہ حد درجے ہلکا بھی ہے۔ تمہیں معلوم تک نہ ہو سکا۔"

"ہاں! اس میں تو گویا وزن ہے ہی نہیں۔ پتا نہیں یہ کیا ہے؟"

"یا تو یہ باتیں کیچ کر کے کسی دوسری جگہ اس کے دوسرے سیٹ تک پہنچانے کا آلہ ہے۔ یا پھر بم قسم کی کوئی چیز ہے۔"

"بم تو یہ ہو نہیں سکتا۔ باتیں سننے کا آلہ ضرور ہو سکتا ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

"یہ ضروری نہیں ۔۔ میں کہتا ہوں۔ اسے یہیں چھوڑ دو۔ اگر یہ نہ پھٹا تو بعد میں اسے اٹھالیں گے۔"

"یہ ٹھیک رہے گا۔" فاروق نے کہا۔

فرزانہ نے اسے اس کمرے میں ایک جگہ اس طرح چھپا دیا کہ کسی اور کے ہاتھ نہ لگ سکے۔ اور پھر تینوں باغ کی طرف چل پڑے۔

"اب بتاؤ۔ تمہیں مجھ سے کیا کام تھا؟"

"اس پر ہم بعد میں بات کریں گے۔ یہاں اس سے کہیں زیادہ پُراسرار معاملہ درپیش ہے۔ ہمیں تو اب اس شخص کی نگرانی کرنا ہے۔ جس نے یہ کلپ تمہارے بالوں میں لگایا ہے۔"

"تم اسے پہچان لو گے نا؟" فرزانہ نے کہا۔

"کیوں نہیں پہچان لیں گے۔ ہم نے اسے بہت صاف طور پر دیکھا تھا۔ اس کا لباس ہمیں اچھی طرح یاد ہے۔ اور حلیہ بھی۔"

"تو پھر آؤ۔ معاملہ نہ صرف حد درجے پُراسرار ہو گیا ہے۔ بلکہ سنسنی خیز بھی۔"

"پُراسراریت اور سنسنی خیزی کا تو چولی دامن کا ساتھ ہے۔" فاروق مُسکرایا۔

تینوں باغ میں آئے۔ انھوں نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں۔ ہُما فوراً ان کی طرف لپکی، لیکن محمود اور فاروق

تو اس پُراسرار آدمی کی تلاش میں تھے۔
"آؤ ہُما۔ اب ان سے ملو۔ یہ محمود ہے اور یہ فاروق۔"
فرزانہ نے کہا۔
"یہ تو میں سمجھ ہی گئی تھی، لیکن یہ دونوں حضرت ہیں کہاں؟" اس نے انھیں اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"اوہ معاف کیجیے گا۔ ہم ذرا ایک خاص چیز کی تلاش میں ہیں۔"
"کیا میں اس تلاش میں آپ کی مدد کر سکتی ہوں؟"
ہُما بولی۔
"نہیں۔ شکریہ! ہم خود تلاش کر لیں گے۔" محمود نے فوراً کہا۔
"اچھا۔ جب تلاش کر چکیں تو بتا دیجیے گا۔ میں اس وقت آپ سے چند باتیں کروں گی۔"
"ضرور کیوں نہیں۔" فاروق مسکرایا۔
وہ پُراسرار آدمی انھیں اب تک نظر نہیں آیا تھا، لہذا دونوں فرزانہ اور ہُما کو چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔
فرزانہ نے ہُما کی وجہ سے ان کا ساتھ نہ دیا، ویسے بھی اس نے پُراسرار آدمی کو نہیں دیکھا تھا؛ تاہم وہ اُلجھن میں ضرور تھی۔

مہمانوں کے نزدیک پہنچ کر وُہ ایک ایک مہمان کو بغور دیکھنے لگے ۔ کافی دیر کی کوشش کے باوجود وُہ اس مہمان کو تلاش نہ کر سکے :

" حیرت ہے ۔ وُہ پُر اسرار آدمی کہاں چلا گیا "
محمود بڑبڑایا ۔

" ہو سکتا ہے ۔ اس نے آلے کے ذریعے ہماری باتیں سُن لی ہوں اور فرار ہو جانے میں ہی خیریت سمجھی ہو "
فاروق بولا ۔

" اس کے سوا کیا بات ہو سکتی ہے ۔ تب پھر وُہ آلہ ضرور باتیں سُننے کے لیے لگایا گیا تھا ، لیکن اسے ایسا کرنے کی آخر کیا ضرورت تھی ؟ "

" یہ تو وہی بتا سکتا ہے ۔ اور وُہ یہاں ہے نہیں ۔ اب کیا کریں ؟

ایسے میں انھیں ایک آواز سُنائی دی :

" آپ شاید کسی کی تلاش میں ہیں "

دونوں چونک کر مڑے ۔ درمیانے قد کا ایک آدمی ان کے نزدیک کھڑا انھیں مسکرا کر دیکھ رہا تھا ، لیکن اس کی آنکھوں میں نہ جانے کیا تھا ۔ دونوں نے اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس کیے ۔

اچانک اس نے محمود اور فاروق کے ہاتھ پکڑ لیے۔
اور بولا :
" آئیے میرے ساتھ۔"
دونوں کسی مشین کی طرح اس کے ساتھ چل پڑے۔

ایک چیخ

"اس میں حیران ہونے کی کوئی بات نہیں۔ یہ معاملہ یادداشت کی تیزی سے تعلق رکھتا ہے۔ سالک جامی کی موت کی خبریں اخبارات میں شائع ہوئی تھیں، ان کی تصاویر بھی اخبارات میں لگائی گئی تھیں۔ اور یہ بھی کہ وہ بیرونِ ملک سے واپس آئے تھے، آتے ہی ان پر دل کا دورہ پڑا اور وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اب اگر میں بالکل اسی شکل صورت کے آدمی کو اپنے سامنے دیکھوں اور آپ تعارف کراتے وقت یہ کہیں کہ ان کے بارے میں ہم کچھ نہیں کر سکتے تو بھلا میں کیوں اندازہ نہیں لگا سکتا۔" انھوں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"بہت خوب! آپ کے بارے میں جو سنا تھا، آپ کو اس سے بڑھ کر پایا۔" سرمد راضی نے خوشی کا اظہار کیا۔

" اس بات کو چھوڑیں کیا ان صاحب کا یہ دعویٰ ہے

کہ یہ سالک جامی ہیں اور جس شخص کو دفن کیا گیا ، وہ سالک جامی نہیں ہیں "

" ہاں ! بالکل یہی بات ہے "

" آپ نے ان سے گھریلو باتیں پوچھیں ۔ ماضی کی کچھ باتیں "

" جی نہیں ! ہم ایسا نہیں کر سکتے ۔ دراصل ہم نے ایسا کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی ۔ اور ہم ایسا کیوں کرتے ، جب کہ ہم اصل سالک صاحب کو اپنے ہاتھوں دفن کر چکے ہیں " اس نے کہا ۔

" ہوں ! آپ بھی ٹھیک کہتے ہیں ، لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ ان سے ماضی کی کچھ باتیں پوچھیں ، جن کا آپ کے اور ان کے سوا کسی کو علم نہ ہو "

" بہت بہتر ! میں ایسی کچھ باتیں آپ کے سامنے ہی پوچھ لیتی ہوں ۔ اے مسٹر ۔ بھلا میں نے اور میرے شوہر نے اپنے بڑے بیٹے کا نام پہلے کیا سوچا تھا ؟"

" عامر ریاض " اس نے فوراً کہا ۔

" اوہ ! " بیگم سالک نے حیران ہو کر کہا ۔

" اور پوچھیے " سالک نے طنزیہ لہجے میں کہا ۔

" اچھا یہ بتائیں ۔ جب ہم سیر کے لیے بیرونِ ملک گئے تھے تو وہاں ہوٹل کے کمرے میں ہمیں کیا عجیب چیز

نظر آئی تھی؟"

"سانپ کی کھال سے بنا ہوا ایک پرس۔ جس میں سانپ کی کھالیں ہی بھری ہوئی تھیں۔"

"اُف مالک۔ اب میں کیا کروں۔" بیگم سالک نے گھبرا کر کہا۔

"انھیں شوہر مان لیں۔" انسپکٹر جمشید نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ پھر وہ کون تھا جس کو ہم نے دفن کیا۔"

"ہاں۔ پہلے تو یہ معلوم کرنا چاہیے۔ آپ نے ان سے دستخط وغیرہ کروا کر دیکھے؟"

"جی ہاں! آپ کے سامنے بھی کروا کر دیکھ لیتے ہیں۔"

"پہلے میرے پاس ان کے اصل دستخط ہونے چاہییں۔"

"یہ رہے ہمارے پاس۔ اس فائل میں ان کے کئی دستخط ہیں۔"

انسپکٹر جمشید نے ان دستخطوں کو بغور دیکھا، پھر سالک سے بولے:

"آپ اس سادہ کاغذ پر اپنے دس عدد دستخط کر دیں۔"

"دس کیا۔ سو کروا لیں۔" اس نے جل کر کہا۔

"نہیں ! آپ فی الحال دس ہی کر دیں"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔
اس نے دس دستخط کر دیئے۔ انسپکٹر جمشید نے ان کو
ملا کر دیکھا۔ کافی دیر تک غور کرنے کے بعد وہ بولے :
"میرے خیال میں تو یہ ایک ہی آدمی کے دستخط ہیں"۔
"یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ اگر یہ سالک ہیں تو پھر
وہ کون تھا"؟ بیگم سالک نے گھبرا کر کہا۔
"یہ تو اب ہم معلوم کریں گے"۔ وہ بولے۔
"لیکن کیسے"؟
"کل ہم اس قبر سے مردے کو نکلوائیں گے۔ اور اس کا
چیک اپ کرائیں گے۔ کیا سمجھے"؟ وہ بولے۔
"اوہ ہاں ! یہ ٹھیک رہے گا، لیکن انسپکٹر صاحب۔ کل
کیوں۔ آج ہی کیوں نہیں"۔ وکیل صاحب بولے۔
"قبر کھدوانے کی اجازت لینا ہو گی، پھر پوسٹ مارٹم
بھی کرایا جائے گا۔ میک اپ کے ماہرین چہرے کو چیک
کریں گے۔ یہ سب کام اس وقت نہیں ہو سکیں گے"۔
"اوہ ٹھیک ہے"۔ سرمد راضی نے کہا۔
"آپ صبح میرے پاس آ جائیں"۔
"بہت بہتر، لیکن ہم ان کا کیا کریں"؟
"یہ میرے پاس رہیں گے۔ آپ میرے پاس رہنا پسند

کریں گے نا"

"ان حالات میں میری پسند اور ناپسند رہ کہاں گئی ہے جناب" اس نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"ٹھیک ہے، یہ میرے پاس رہیں گے۔ آپ لوگ جائیں"

وہ سب اٹھ کر چلے گئے۔ انسپکٹر جمشید نے گھڑی پر نظر ڈالی اور بلند آواز میں بیگم کو مخاطب کیا :

"بیگم! یہ ہمارے مہمان ہیں۔ ان کے لیے ایک کمرہ ٹھیک کر دو۔ اور کھانے وغیرہ کا بھی..."

"انتظام کر چکی ہوں" آواز آئی۔

"کیا کہا۔ انتظام کر چکی ہیں۔ وہ کیسے۔ آپ نے پہلے ہی کس طرح جان لیا تھا کہ..."

"کمرہ پہلے ہی مہمانوں کے لیے ہر وقت بالکل تیار رہتا ہے۔ اور کھانا بھی تیار ہی ہے۔ لہٰذا میں یہ کہ سکتی ہوں کہ میں انتظام کر چکی ہوں" انھوں نے مسکرا کر کہا۔

"اوہ اچھا۔ ان تینوں کا کیا پروگرام ہے؟"

"ان کی واپسی کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا، وہاں سے فارغ ہو کر ہی آ سکیں گے"

"تو پھر میں بھی کیوں نہ چلا جاؤں۔ میری اور تمھاری بھی تو دعوت ہے" انسپکٹر جمشید بولے۔

"میں تو کم از کم نہیں جا سکتی ـ اس قسم کی محفلوں میں میرا تو دم گھٹتا ہے ـ بے پردگی کا دَور دَورہ ہوتا ہے ـ میک اَپ کے مقابلوں کی بھرمار ہوتی ہے ـ ہرعورت اور ہر لڑکی یہ سوچ کر میک اَپ کرکے جاتی ہے کہ بس آج ساری دُنیا کی عورتوں اور لڑکیوں کو نیچا دکھانا ہے۔"

"تو تم سادہ لباس میں چلی چلو۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اور بے پردگی کا کیا کروں گی؟"

"ہاں واقعی ـ یہ بہت پریشان کُن معاملہ ہے ـ تو پھر میں تمھاری جگہ مہمان کو لے کر چلا جاتا ہوں ـ ذرا ان کی طبیعت ہی بہل جائے گی۔" انھوں نے کہا۔

"ضرور، کیوں نہیں ـ شوق سے جائیں۔"

"آپ کیا کہتے ہیں بھئی؟" انھوں نے سالک جامی کی طرف دیکھا۔

"میں کیا کر سکتا ہوں۔ آپ کا مہمان ہوں، جہاں لے جائیں گے، چلا جاؤں گا ـ نہیں لے جائیں گے۔ یہاں اپنے کمرے میں بند ہو جاؤں گا۔"

"نہیں۔ آپ میرے ساتھ چلیے ـ بہتر یہی رہے گا۔" انسپکٹر جمشید بولے ـ

دونوں تیار ہو کر باہر نکلے ـ

"ایک بات سمجھ میں نہیں آئی، یہ کہ اگر آپ واقعی سالک ہیں تو اس مرنے والے کو سالک بننے کی کیا ضرورت تھی؟"
انسپکٹر جمشید نے کار سٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔
"اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ دل کا دورہ اس کے سارے منصوبے پر پانی پھیر دے گا۔ وہ تو میری جگہ لے چکا تھا۔ اور جب میں آتا تو مجھے دروازے سے دھکیل دیا جاتا۔ گھر کے اصل مالک کو۔ اور نقلی کو گھر میں جگہ دی جاتی۔"
"لیکن نقلی سالک کس طرح اپنے آپ کو اصل سالک ثابت کر سکتا تھا؟"
"اس بارے میں میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" اس نے پریشان ہو کر کہا۔
"ہاں واقعی۔ بھلا آپ کو کیا معلوم کہ وہ کیا کرنا چاہتا تھا، ویسے کیا آپ بہت زیادہ دولت مند ہیں؟"
"غریب بھی نہیں ہوں۔ بہر حال میرا شمار دولت مندوں میں ہی ہوتا ہے۔"
"تب پھر یہ آپ کی دولت پر قبضہ کرنے کی سازش تھی، لیکن دل کے دورے نے اس سازش کو ناکام بنا دیا۔"
"مشکل تو میرے لیے پیدا کر گیا نا۔ آخر میں گھر والوں کو کس طرح یقین دلاؤں کہ میں ہی اصل سالک ہوں۔"

"اگر آپ اصل سالک ہیں تو پھر میں ان لوگوں کو یقین دلاؤں گا۔ آپ فکر نہ کریں۔" انھوں نے کہا اور پھر اچانک کار ایک طرف کرتے ہوئے روک دی۔ سالک جامی چونک اُٹھا:

"خیریت۔ آپ نے گاڑی کیوں روک دی؟"

"ایک خیال آیا ہے۔ کل ہم قبر کھدوائیں گے۔ مُردے کے چہرے کا معائنہ کرایا جائے گا۔ اور اسی طرح اس کا پوسٹ مارٹم ہوگا، لیکن اس سے پہلے کیوں نہ آپ کا چہرہ چیک کر لیا جائے۔"

"جی کیا مطلب؟" وہ بولا۔

"مطلب یہ کہ ہو سکتا ہے۔ کہ آپ میک اَپ میں ہوں۔ اگر یہ بات ثابت ہو جائے تو کل قبر کھلوانے کی اُلجھن مول نہیں لینا پڑے گی۔ دراصل میں قبر کھلوانے کے بہت خلاف ہوں۔ مرنے کے بعد مرنے والے کا معاملہ اللہ کے ساتھ جڑ جاتا ہے۔ اس کے بعد ہمیں دخل اندازی نہیں کرنا چاہیے، لیکن بعض حالات میں ہم ایسا کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ پہلے آپ مجھے چیک کر لیں۔"

انھوں نے بیٹھے بیٹھے کار میں ہی سالک کے چہرے

کا جائزہ لیا، پھر میک اَپ اور پلاسٹک سرجری کا جائزہ لیا۔ نہ تو میک اَپ کے آثار نظر آئے، نہ پلاسٹک سرجری کے۔

"کم از کم میرے خیال میں تو آپ میک اَپ میں نہیں ہیں اور نہ آپ کے چہرے پر پلاسٹک سرجری کی گئی ہے۔"

"شکریہ! میں ہوں ہی سالک جامی۔" اس نے منہ بنایا۔

"ہم فرض کر لیتے ہیں کہ آپ سالک جامی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ نقلی جامی تھا۔ اس نے آخر کیا سوچ کر آپ کا روپ دھارا۔ کیا اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ جلد ہی اصل جامی آنے والے ہیں اس وقت کیا ہوگا۔"

"بھلا میں اس کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں کہ اس کے ذہن میں کیا منصوبہ تھا۔"

"ارے ہاں یاد آیا۔ ہم نے ان لوگوں سے یہ نہیں پوچھا کہ مرنے والا کیا وصیت کر گیا ہے۔ اپنی دولت انہیں کس طرح دے گیا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ان سے معلوم کر لیتے ہیں۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور کار میں لگے فون کے ذریعے سالک جامی کے گھر کے نمبر ملائے۔ دوسری طرف سے بیگم سالک کی آواز سنائی دی:

"انسپکٹر جمشید بات کر رہا ہوں بیگم صاحبہ۔ آپ کے

شوہر کوئی وصیت کر چکے ہیں یا نہیں؟
"مرنے سے پہلے انھوں نے وکیل کو بلایا تھا اور اپنی وصیت لکھوائی تھی۔ وہ بہت مختصر تھی۔ یہ کہ قانون کے مطابق جس کا جو حق بنے، وہ دے دیا جائے۔"
"شکریہ!" انھوں نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔
"اگر آپ نقلی کی جگہ ہوتے تو کیا وصیت کرتے؟"
"میں۔ میں ہر ایک کو اس کا حق دے جاتا۔"
"نقلی نے بھی یہی کیا ہے۔"
"اس کا مطلب ہے۔ وصیت میں بھی کوئی چکر نہیں ہے۔"
"نہیں۔ پہلے میں نے یہی خیال کیا تھا کہ کسی سازش کے تحت ایک عدد نقلی سالک جامی بنایا گیا، اس سے اپنی مرضی کی وصیت لکھوائی گئی اور پھر اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔"
"لیکن انھوں نے یہ کیوں نہ سوچا کہ جب اصل سالک آئے گا تو اس وقت کیا کریں گے۔"
"سازش کرنے والے نے یہی سوچا ہو گا کہ اصل کو جھٹلا دیا جائے گا۔"
"ہوں، لیکن آپ کا یہ خیال بھی غلط نکلا۔" سالک جامی نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں! ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ کیس میرے دماغ کی چولیں ہلا کر رکھ دے گا۔"

"اگر ایسا ہے تو میں راستے سے ہٹ جاتا ہوں ۔ میرے بیوی بچّے مجھے مردہ سمجھ ہی چکے ہیں۔ رو دھو کر صبر کر ہی چکے ہیں، لہٰذا کیوں نہ میں بھی ان سے الگ ہو جاؤں۔"

"آپ اگر اصل سالک جامی ہیں۔ تو کیا ان کے بغیر رہ سکیں گے؟"

"یہ زندگی خود ہی رہنے پر مجبور کرے گی۔" اس نے اداس انداز میں کہا۔

"ہاں! آپ کا خیال ٹھیک ہے۔ ویسے سچ بات یہ ہے کہ ابھی میں بھی یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا کہ آپ اصلی ہیں یا نقلی۔"

"اللہ مالک ہے۔"

انسپکٹر جمشید نے کار اکبر لاشا کی کوٹھی کے سامنے پارک کی گئی کاروں کے ساتھ کھڑی کر دی اور آگے بڑھے، دروازے پر کھڑے ملازم دروازہ بند کر رہے تھے۔ انھیں دیکھ کر رک گئے۔

"کیوں بھئی۔ دروازہ کیوں بند کر رہے ہو؟"

"سب مہمان آچکے ہیں جناب۔ آپ بہت لیٹ پہنچے ہیں۔"

"تو کیا ہم واپس چلے جائیں؟"

"یہ مطلب نہیں تھا۔" اس نے کہا اور انھیں راستا دے دیا، پھر چونک کر بولا:

"ارے ہاں! آپ کا کارڈ؟"

"کیا کارڈ دکھانا ضروری ہے؟"

"بہت ضروری جناب۔ لاشا صاحب کی سخت ہدایت ہے۔"

"اچھی بات ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے اور کارڈ نکال کر سامنے کر دیا۔

"اس پر تو انسپکٹر صاحب آپ کا اور آپ کی بیگم صاحبہ کا نام ہے۔"

"بیگم کی بجائے میں اپنے مہمان کو لے آیا ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے جناب۔ آپ اس طرح اندر نہیں جا سکیں گے۔"

"کیوں۔ کیا ہوا؟"

"یا تو آپ اپنی بیگم صاحبہ کو ساتھ لائیں۔ یا اکیلے اندر جائیں۔ جن کے نام دعوت نامہ نہیں ہے۔ وہ اندر نہیں جا سکیں گے۔"

"آپ ایک منٹ کار میں ٹھہریں۔ میں ابھی لاشا صاحب سے مل کر آپ کو اندر بلواتا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں۔" وہ مسکرایا۔

انسپکٹر جمشید اندر کی طرف بڑھ گئے۔ وہ جانتے تھے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ بھی یہاں آئے ہوتے ہیں۔ اچانک ایک آواز نے انھیں اپنی طرف متوجہ کر لیا:

"آہا۔ انسپکٹر جمشید یہ تم ہو۔"

وہ خان رحمان کی آواز سن کر مڑے:

"تو تم بھی یہاں موجود ہو۔" انسپکٹر جمشید نے خوش ہو کر کہا۔

"نہ صرف یہ۔ بلکہ میں بھی۔" پروفیسر داؤد کی آواز سنائی دی۔

"اوہ۔ اوہ۔"

"دو مرتبہ اوہ کا مطلب یہ تو نہیں کہ ایک بار کا اوہ میرے لیے اور دوسری بار کا اوہ خان رحمان کے لیے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"یہی سمجھ لیں۔ ارے ہاں! یہ مسٹر لاشا کہاں ہیں۔ مجھے ان سے کام ہے ذرا۔"

"ابھی ابھی تو یہیں تھے۔ ہاں وہ رہے۔"

"میں ابھی آیا۔" یہ کہہ کر وہ تیزی سے لاشا کی طرف

پلٹے۔ اکبر لاشا نے بھی انھیں دیکھ لیا، استقبال کرنے کے انداز میں آگے بڑھے:

"بھابی نہیں آئیں؟"

"ان کی جگہ ایک مہمان کو لانا پڑا، لیکن آپ کے ملازم انھیں اندر نہیں آنے دے رہے۔"

"اوہ ہاں! میری انھیں ہدایات یہی ہیں۔ آئیے ہم آپ کے مہمان کو لے آتے ہیں۔"

وہ ان کے ساتھ دروازے کی طرف چل پڑے۔ راستے میں خان رحمان اور پروفیسر داؤد کھڑے تھے:

"کہاں جا رہے ہو بھئی؟"

"میرے ساتھ ایک مہمان آئے ہیں۔ انھیں داخلے کی اجازت نہیں ملی تھی۔ اب اکبر لاشا صاحب اپنی سفارش سے انھیں اندر لانے کی کوشش کریں گے۔" انسپکٹر جمشید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مان گئے بھئی لاشا صاحب کو۔ اُصول ہو تو ایسا۔ لیکن اب یہ اپنا اُصول کیوں توڑنے جا رہے ہیں؟"

"انسپکٹر جمشید کی خاطر۔" اکبر لاشا نے مسکرا کر کہا۔

"اگر یہ بات ہے تو میں نہیں لاتا اندر اپنے مہمان کو۔ میں واپس چلا جاتا ہوں۔"

"نہیں۔ اب یہ اُصول ٹوٹ کر رہے گا۔ آیندہ نہ بننے کے لیے۔ آیندہ ایسی کوئی پابندی عاید نہیں کروں گا میں۔"
اکبر لاشا نے شرمندہ ہو کر کہا۔

"اگر یہ بات ہے تو پھر ٹھیک ہے۔"

"پھر ہم بھی چلتے ہیں مہمان کو لانے کے لیے۔"

"آپ دونوں کب آئے؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"بس ابھی ابھی۔ تم سے پہلے ہم ہی اندر داخل ہوئے ہیں۔" خان رحمان بولے۔

"اس کا مطلب ہے۔ آپ نے محمود، فاروق اور فرزانہ کو نہیں دیکھا؟"

"اوہ۔ تو کیا وہ بھی آئے ہوئے ہیں؟"

"ان کی بیٹی فرزانہ اور میری بیٹی ہُما سہیلیاں ہیں۔ ان تینوں کو دعوت ہُما کی طرف سے دی گئی تھی۔" اکبر لاشا نے جلدی سے کہا۔

دروازے پر پہنچتے ہی اکبر لاشا نے کہا:

"بھئی انسپکٹر صاحب کے مہمان کو اندر آنے دو۔"

"یہ نہیں ہو سکتا جناب۔" ایک ملازم بولا۔

"کیا مطلب۔ کیا نہیں ہو سکتا؟"

"آپ نے ہی یہ حکم دیا تھا کہ کارڈ کے مطابق ہی

مہمان اندر داخل ہوں گے ۔ جن کے نام کارڈ پر نہیں ہوں گے ، وہ نہیں آسکیں گے اور اگر آئے تو آپ سے بُرا کوئی نہیں ہو گا۔"

" ہاں ! میں نے یہ کہا تھا ، لیکن یہ بھی میری غلطی تھی کہ کارڈ پر یہ بات لکھوانا بھول گیا ۔ ورنہ انسپکٹر جمشید کبھی اپنے ساتھ اپنی بیگم کی بجائے کسی مہمان کو نہ لاتے۔"

" لیکن جناب ! ہم کیا کر سکتے ہیں ۔ ہم تو مجبور ہیں ۔ حکم تو آپ نے دیا تھا۔" دوسرا ملازم بولا۔

" اچھا بابا ! میں اپنا حکم واپس لیتا ہوں۔"

" ہم آپ کا حکم واپس کرنے سے انکار کرتے ہیں ۔ آخر وہ آپ کا حکم ہے ، کوئی مذاق تو نہیں ہے۔"

" دیکھا آپ لوگوں نے ۔ ملازموں کو سر پر چڑھانے کا یہ انجام ہوتا ہے۔" اکبر لاشا نے جھلا کر کہا ، پھر دونوں ملازموں کی طرف تیز نظروں سے دیکھا :

" میں تم دونوں کو ابھی اور اسی وقت ملازمت سے فارغ کرتا ہوں۔"

" افسوس ! آپ ایسا بھی نہیں کر سکتے ۔ معاہدے کے مطابق آپ کو ایک ماہ پہلے نوٹس دینا پڑے گا۔"

" لیکن معاہدے کے مطابق میں ایک ماہ کی ایڈوانس

تنخواہ دے کر تو تم دونوں کو فارغ کر سکتا ہوں۔" اکبرلاشا نے منہ بنایا۔

" اوہ ہاں واقعی۔ یہ تو ہم بھول ہی گئے۔ خیر لائیے ایک ماہ کی ایڈوانس تنخواہ اور اس ماہ کی تنخواہ، ہم ابھی اور اسی وقت یہاں سے جانا چاہتے ہیں۔"

" میرا خیال ہے۔ آپ دونوں فریق اس بات کو یہیں ختم کر دیں، میں ہی اپنے مہمان کے ساتھ واپس چلا جاتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے گھبرا کر کہا۔

" نہیں نہیں۔ آپ کیوں جائیں گے بھلا۔" اکبرلاشا نے گھبرا کر کہا۔

" میں نہیں چاہتا۔ میری وجہ سے دو غریب ملازمت سے نکال دیے جائیں۔"

" ان دونوں کو آپ کی وجہ سے نہیں، ان کی ضد کی وجہ سے نکالا جا رہا ہے۔" اکبرلاشا نے گویا وضاحت کی۔

" بالکل بالکل۔ لیکن ہم نے آپ کے حکم کی تعمیل کی ہے۔" ایک ملازم جلدی سے بولا۔

" اور اب میں نے ہی تو حکم دیا تھا کہ ان کے مہمان کو آنے دیا جائے۔" اکبرلاشا غرّا کر بولے۔

" اب آپ یہ حکم نہیں دے سکتے، کیونکہ آپ نے ہمیں

پہلا حکم ان الفاظ میں دیا تھا کہ جن کے نام کارڈوں پر نہیں ہوں گے، انھیں اندر ہرگز نہیں آنے دیا جا۔نے گا، میرا یہ حکم دعوت ختم ہونے تک رہے گا۔ اس دوران اگر خود میں بھی اس کے خلاف کرنے کا تم لوگوں کو حکم دوں تو بھی تم اس کے خلاف نہیں کرو گے۔" دوسرے ملازم نے جلدی جلدی کہا۔

"اوہ ہاں واقعی۔ یہ حکم تو میں نے ہی دیا تھا۔"

"تب پھر ان کا قصور۔ آپ ان بے چاروں کو رہنے دیں۔ میں اپنے مہمان کو ساتھ لے کر واپس جا رہا ہوں۔"

"یہی تو مشکل ہے۔ میں یہ اب بھی نہیں دوں گا۔"

"تب پھر اس کا ایک حل میں بتا دیتا ہوں۔" ایسے میں پروفیسر داؤد بولے، ساتھ میں مسکرائے بھی تھے۔

"اور وہ کیا؟"

"آپ ان ملازمین کی ڈیوٹی اندر کہیں لگا دیں، یہاں دو دوسرے ملازم مقرر کر دیں۔ نئے ملازم آپ کی نئی ہدایات پر کوئی اعتراض کیوں کریں گے بھلا۔"

"بھئی۔ ان حالات میں اس سے بہتر ترکیب ہو ہی نہیں سکتی۔ کمال ہے پروفیسر صاحب۔ آپ نے تو فرزانہ کے کان کاٹ ڈالے۔" انسپکٹر جمشید خوش ہو گئے۔

"نن۔ نہیں تو۔ فرزانہ تو یہاں ہے ہی نہیں۔"

"اس بات پر تو مجھے بھی حیرت ہے۔ اب تک انھوں نے ہماری خوشبو کیوں نہیں سونگھی اور وہ اس طرف کیوں نہیں آئے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"وہ تینوں آ تو چکے ہیں۔ اتنا تو مجھے معلوم ہے۔" اکبر لاشا بولے۔

"تب پھر وہ ہُما کے ساتھ ہوں گے۔" پروفیسر بولے۔

"اچھا بھئی میں اب تم لوگوں کی ڈیوٹی اندر لگاتا ہوں۔ فوراً باغ میں جاؤ اور ہمدانی اور رضوانی کو یہاں بھیج دو۔"

"اس پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔" دونوں ایک ساتھ بولے۔

"جاؤ۔ جاؤ۔ جلدی کرو۔" اکبر لاشا بولے۔

دونوں اندر کی طرف دوڑ گئے۔ اسی وقت اکبر لاشا نے کہا:

"انسپکٹر صاحب۔ آپ جلدی سے اپنے مہمان کو اندر لے آئیں۔"

"کیوں! اس قدر جلدی کرنے کی کیا ضرورت ہے۔" انھوں نے حیران ہو کر کہا۔

"نئے ملازم آکر کہیں کوئی نیا شوشہ نہ چھوڑ دیں۔"

"آپ نے ملازم بھی شاید چن کر رکھے ہیں۔"

"اس میں کوئی شک نہیں۔ جس طبیعت کا میں خود ہوں، ویسے ہی ملازم رکھنا پسند کرتا ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔ میں ابھی انھیں لے کر آتا ہوں۔"

یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید باہر نکل گئے، پھر جونہی وہ سالک جامی کو لیے اندر آئے، اکبر لاشا کے منہ سے ایک چیخ بلند ہوئی۔ وہ تیورا کر گرے اور بے ہوش ہو گئے۔

شان دار شکست

درمیانے قد کا آدمی انھیں ایک الگ کمرے میں لے آیا۔ دروازہ اس نے اندر سے بند کر لیا۔

"تم کس کی تلاش میں ہو؟" وہ سانپ کی طرح پھنکارا۔

"کیوں! آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟" محمود نے ہمت کر کے کہا، اگرچہ اس کی ہمت جواب دیتی جا رہی تھی۔

"میں نے جو پوچھا ہے، اس کا جواب دو۔"

"ہم ایک ایسے آدمی کی تلاش میں ہیں۔ جس نے ہماری بہن کے بالوں میں ایک پُراسرار کلپ لگایا تھا۔ وہ کلپ دراصل باتیں سُننے کا ایک آلہ ہے۔ یا یُوں کہہ لیں کہ آلے کا ایک حصّہ ہے۔ اس کا دوسرا حصّہ جہاں ہو گا۔ وہاں پہلے حصّے کے پاس ہونے والی گفتگو بآسانی سُنی جا سکتی ہے۔"

"اچھا تو پھر..." وہ بھنّا کر بولا۔

" پھر کیا۔ ہم اس آدمی کو تلاش کر کے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ وہ کون ہے اور یہاں کیا کرتا پھر رہا ہے؟"

" تو پھر سن لو۔ میں ہی وہ شخص ہوں۔ جس نے تمہاری بہن کے بالوں میں وہ کلپ لگایا تھا۔ تم میں اتنی بھی عقل نہیں کہ میں نے تم لوگوں کی بات چیت سن لی تھی۔ پھر بھلا میں اس میک اپ میں کس طرح رہ سکتا تھا۔ میں نے فوراً وہ میک اپ اتار دیا۔ اور اب میں ایک دوسرے میک اپ میں ہوں۔"

" اس کا مطلب یہ ہے۔ یہ حلیہ بھی آپ کا اصل حلیہ نہیں ہے۔"

" نہیں!"

" لیکن آپ میک اپ میں ہوتے ہوئے اس دعوت میں کس طرح شریک ہو گئے؟"

" کارڈوں پر مہمانوں کی تصاویر نہیں ہیں۔ دروازے پر موجود ملازم صرف کارڈ دیکھ رہے ہیں۔ چہرے نہیں۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

" یہ تو خیر ٹھیک ہے، لیکن کیا اکبر لاشا وغیرہ نے آپ کو ٹوکا نہیں۔ کہ آپ کون ہیں؟"

" نہیں۔ اس لیے کہ ابھی تک میں نے ان سے آمنا سامنا

ہونے کا موقع ہی نہیں آنے دیا۔"
"اوہ۔ اگر آمنا سامنا ہو جاتا تو وہ ضرور یہ پوچھتے کہ آپ کون ہیں؟"
"ہاں! وہ پوچھتے۔ اور میرے پاس جواب بھی تیار تھا۔"
"کیا!" محمود نے فوراً کہا۔
"میں اس دوست کا نام لے دیتا۔ جس کے نام کا کارڈ تھا۔"
"اچھا خیر۔ یہ آپ کا معاملہ ہے۔ ہمیں تو آپ یہ بتائیں کہ ہماری بہن کی باتیں سننے کی آپ کو کیا ضرورت تھی؟"
"میں یہاں سوالات کے جوابات دینے نہیں آیا۔ بلکہ تم لوگوں کو یہ بتانے آیا ہوں کہ تم یہاں میری مٹھی میں ہو۔"
"ہم۔ مٹھی میں۔ اگر ہم آپ کی مٹھی میں ہیں تو مٹھی سے باہر کون ہیں۔ اور ذرا اپنی مٹھی کھول کر دکھائیے تو۔" فاروق نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔
"ادھر اُدھر کی باتوں سے تم کچھ حاصل نہیں کر سکو گے۔ میں تم لوگوں کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔"
"اوہ! یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ آپ ہمیں بہت اچھی طرح جانتے ہیں، لیکن مشکل یہ ہے کہ ہم آپ کو

اچھی طرح نہیں جانتے ، دوسری بات یہ کہ آپ ہم سے چاہتے کیا ہیں؟"

"میں۔ مجھے معلوم تھا کہ تم لوگوں کو یہاں دعوت دی گئی ہے ، لہٰذا میں بھی پہنچ گیا۔ تاکہ تم لوگوں کی باتیں سن سکوں ، لیکن وہ کلپ تم لوگوں کی نظروں میں آگیا ، بس یہ بات غلط ہو گئی۔" اس نے منہ بنایا۔

"ابھی یہاں اور بھی غلط باتیں ہوں گی ، آپ فکر نہ کریں۔" محمود نے اسے مشورہ دیا۔

"نہیں : میرا پروگرام جاری رہے گا۔ تم دونوں بلکہ تم تینوں..." یہ کہہ کر وہ ایک جھٹکے سے دروازے کی طرف ہاتھ لے گیا اور پھر دروازہ کھل گیا۔ فرزانہ اپنی جھونک میں اندر لڑکھڑائی ؛ تاہم گرنے سے بچ گئی۔

"یہ بھی یہ دروازے سے لگی کھڑی تھی۔ میں نے کہا تھا نا۔ میں تم لوگوں کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"اب ہمیں اس بات پر یقین آ گیا ہے۔ مہربانی فرما کر یہ بتا دیں کہ آپ کون ہیں ، تاکہ ہم بھی کہہ سکیں کہ ہم آپ کو بھی بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ابھی نہیں ۔ میں تمہیں اپنا اصلی چہرہ بھی دکھاؤں گا اور یہ بھی بتاؤں گا کہ لوگ مجھے کس نام سے پکارتے ہیں ، لیکن

پہلے تم میرا کام کرو گے۔"

"ہم اور آپ کا کام کریں گے؟"

"ہاں: اب تم اپنے لیے نہیں ۔ میرے لیے کام کرو گے اور بہت ہی انوکھے انداز میں کام کرو گے۔ اس دعوت میں تمھارے والد کو بھی آنا ہے ۔ تم ان سے بات چیت شروع کرو گے ۔ یعنی اِدھر اُدھر کی باتیں اور پھر ان سے کہو گے کہ تم نے اس دعوت میں ایک پُراسرار آدمی کو دیکھا ہے ۔ یہ باتیں کرنے کے بعد تم انھیں اس کمرے میں لے آؤ گے ۔ کیا سمجھے؟"

"خاک بھی نہیں سمجھے ۔ آخر ہم تمھاری ہدایات پر عمل کیوں کریں گے۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"ارے بھئی ۔ بس ۔ میں جو کہہ رہا ہوں ۔ میں جو کہا کرتا ہوں ۔ لوگ اس پر عمل کیا کرتے ہیں۔"

"لیکن ہم ایسا نہیں کریں گے ۔ یہ بات نوٹ کر لو۔"

"نوٹ کرنے کا وقت کہاں سے لاؤں۔"

"جہاں سے بھی لا سکیں ، لے آئیں ، ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"زیادہ شوخ بننے کی کوشش نہ کرو ۔ میں تم لوگوں کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"یہ جُملہ جتنی بار کہنا ہے ۔ پہلے ہی بتا دیں ۔ بلکہ ایک ہی وقت میں دہراتے چلے جائیں ۔ تاکہ ہمیں زبانی یاد ہو جائے۔"

"دھت تیرے کی تم ہی خاموش ہو جاؤ" محمود نے جھلّا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا ۔ جو اس پر اُسرار آدمی کی ٹھوڑی سے ٹکرایا۔

محمود کا خیال تھا کہ وُہ یہ ہاتھ کھا کر گر جائے گا ۔ گرے گا نہیں تو لڑکھڑائے گا ضرور اور اس وقت وہ اسے ایک عدد ٹکر رسید کر دے گا ، لیکن دونوں میں سے ایک بات بھی نہیں ہوئی ۔ وُہ اسی طرح کھڑا مسکراتا رہا، پھر اچانک اس کے لہجے میں سختی آ گئی :

"میری طرف دیکھو ۔ میں جو کہہ رہا ہوں ۔ تم وہی کرو گے ۔ اور ہاں ۔ تمہیں تو نیند آ رہی ہے ۔ رات سوئے نہیں تھے کیا ۔ اچھا چلو سو جاؤ ، اچھے بچوں کی طرح۔"

"نہیں ۔ ہمیں نیند نہیں آ رہی ۔ تم غلط کہہ رہے ہو۔" محمود نے جمائی لیتے ہوئے کہا ۔

"اور کیا ! ہم کیوں سونے لگے ۔ ہم دن میں نہیں رات کو سوتے ہیں ۔ دن میں تو ہم صرف قیلولہ کرتے ہیں ، یعنی دوپہر کے کھانے کے بعد تھوڑی دیر کے لیے

بیٹھنا۔ اس لیے کہ ایسا کرنا سنت ہے۔ تم سنت سمجھتے ہو۔"
فاروق نے خود کو نیند سے بچانے کے لیے سر کو جھٹکا دیا۔
پتا نہیں نیند کم بخت کہاں سے دھڑا دھڑ چلی آ رہی تھی۔
" ہوشیار۔ یہ آدمی ہپ۔ ہپ۔ ہپ۔" فرزانہ اس سے
آگے کچھ نہ کہہ سکی۔ اور گرتی چلی گئی۔
" یہ کیا بات ہوئی۔ تم کیا کہنا چاہتی تھیں۔" محمود نے کہا
اور پھر وُہ بھی فرش پر گر گیا۔
" تم نے ان دونوں کو سُلا دیا، لیکن مجھے نہیں سُلا
سکو گے۔ سُنا تم نے۔"
" ہاں! سُنا۔ لیکن نیند سے تمھاری پلکیں بوجھل ہو
رہی ہیں۔"
" اچھا! کیا واقعی۔ نہیں۔ تم جھوٹ۔ جھوٹ...!"
اور وہ بھی گر گیا۔ تین منٹ بعد ان کی آنکھیں کھلیں
تو کمرے میں وہ شخص موجود نہیں تھا۔ وہ ہڑبڑا کر اُٹھے:
" یہ۔ ہمیں کیا ہو گیا تھا؟"
" پتا نہیں۔ شاید وُہ کوئی جادُو گر ہے۔ جس نے ہم
پر نیند طاری کر دی تھی۔" فرزانہ بولی۔
" میرا خیال ہے۔ وہ ہپناٹزم کا ماہر ہے۔ خیر ہمیں کیا،
سامنے آیا تو دیکھ لیں گے اسے۔" محمود نے کہا۔

"تو پھر آؤ۔ باہر۔ ہما اور اکبر لاشا پریشان ہو رہے ہوں گے۔"

"اور اگر ابا جان آ گئے ہوں گے تو وہ بھی پریشان ہوں گے۔"

تینوں کمرے سے نکل کر باغ میں آ گئے۔

"ابا جان تو کہیں بھی نظر نہیں آ رہے۔"

"شاید ابھی نہیں پہنچے۔ اور نہ اکبر لاشا نظر آ رہے ہیں، نہ ہما۔ کمال ہے۔" محمود بڑبڑایا۔

اسی وقت گھر کا ایک ملازم پاس سے گزرا:

"کچھ بتا سکتے ہیں۔ ہما کہاں ہے؟"

"لاشا صاحب بے ہوش ہو گئے ہیں۔ وہ ان کے کمرے میں ہیں۔"

"بے ہوش ہو گئے ہیں، لیکن انہیں ہوا کیا؟"

"کسی کو کچھ پتا نہیں۔ مہمانوں کو اس طرف جانے سے روک دیا گیا ہے۔ ابھی ڈاکٹر صاحب بھی نہیں آئے۔ ارے ہاں۔ انسپکٹر صاحب بھی تو اندر ہی ہیں لاشا صاحب کے پاس۔"

"اوہو اچھا۔ آؤ بھئی۔"

وہ تیزی سے اندر پہنچے۔ دروازے پر ایک ملازم کھڑا تھا:

"آپ اندر نہیں جا سکتے جناب"

"ہمارے والد اندر ہیں۔ اس لیے، ہم اندر جا سکتے ہیں۔"

محمود مسکرایا۔

"والد" اس نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"ہاں! انسپکٹر جمشید۔"

"اوہ ہاں۔ وہ تو اندر ہیں۔ خیر آپ چلے جائیں۔"

تینوں اندر داخل ہوئے۔ کمرے میں ان کے والد ہی نہیں۔ بلکہ پروفیسر داؤد، خان رحمان اور ایک اور صاحب بھی موجود تھے:

"السلام علیکم!" وہ ایک ساتھ بولے۔

سب چونک کر ان کی طرف مڑے:

"تم کہاں چلے گئے تھے؟"

"پہلے یہ بتائیے۔ انھیں کیا ہوا تھا؟"

"یہ تو یہ ہوش میں آنے کے بعد ہی بتا سکیں گے۔"

"ڈاکٹر صاحب کو فون کر دیا گیا ہے؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"ہاں!" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اور یہ آپ کے ساتھ کون صاحب ہیں؟"

"یہ۔ ہمارے مہمان ہیں۔ ان کی بھی ایک کہانی ہے۔ میں انھیں یہاں ساتھ لے آیا تھا۔ جونہی ہم اندر داخل

ہوئے ۔ اکبر لاشا ایک عدد چیخ مار کر گر پڑے"۔

" حیرت ہے"۔ فرزانہ بڑبڑائی۔

" ہاں ! تم بتاؤ ۔ کہاں غائب ہو گئے تھے ؟"

" فرزانہ ہم سے پہلے یہاں پہنچ گئی تھی ، کیونکہ ہم ذرا دیر سے گھر پہنچے تھے ۔ جب ہم یہاں آئے تو دُور سے ہم نے فرزانہ کو ہُما کے ساتھ کھڑے دیکھ لیا۔ ہم نے ان کی طرف قدم اٹھائے ہی تھے کہ ایک شخص تیزی سے فرزانہ کے بالوں میں ایک کلپ چپکا کر چلا گیا اور اس خوبی سے کہ فرزانہ کو پتا بھی نہ چلا ، لیکن ہم نے اسے ایسا کرتے دیکھ لیا۔ لہٰذا ہم نے فرزانہ کو یہ بات بتائی اور پھر اس پُر اسرار آدمی کی تلاش میں نظریں دوڑائیں ، لیکن وہ ہمیں کہیں بھی نظر نہ آیا۔ البتہ ایک اور آدمی ہمارے پاس آیا اور ہم دونوں کو اندر ایک کمرے میں لے گیا۔ ہم اس کے ساتھ کیوں جانے پر مجبور ہوئے ۔ یہ ہم نہیں جانتے ۔ وہ ضرور پُر اسرار قوتوں کا مالک ہے ۔ بس ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ اور شاید وہ ہپناٹزم کا بھی ماہر ہے ۔ خیر۔ ہم اس کے ساتھ اس کمرے میں گئے۔ فرزانہ بھی ہمارے پیچھے آ گئی اور دروازے سے لگ کر باتیں سننے لگی ، لیکن وہ یہ بھی بھانپ گیا اور اس

نے یک دم دروازہ کھول کر فرزانہ کو بھی اندر کھینچ لیا۔ اس کے بعد ہم پر نیند طاری ہوتی چلی گئی۔"

"اوہ! تب تو وہ ہپناٹزم کا ماہر ہے۔ اور ایسے آدمی بہت خطرناک ہو سکتے ہیں۔ نہ جانے اس نے تم پر نیند طاری کر کے کیا ہدایات دی ہوں گی۔"

"ایک ہدایت تو اس نے بیداری کی حالت میں ہی دے دی تھی۔ اور وہ یہ کہ تم اپنے والد کو اس کمرے تک ضرور لاؤ گے۔"

"اوہ اچھا! یہ بات ہے۔ وہ مجھ سے اس کمرے میں ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ ضرور چلیں گے بھئی۔ ضرور چلیں گے۔ پہلے ذرا یہ ہوش میں آ جائیں۔ ہمیں تم تینوں سے بھی ہوشیار رہنا پڑے گا۔ پتا نہیں۔ نیند کی حالت میں وہ کیا ہدایات دے چکا ہے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" محمود بولا۔

عین اسی وقت ڈاکٹر صاحب اندر داخل ہوئے۔ انھوں نے جلدی جلدی مسٹر لاشا کو دیکھا اور بولے:

"کچھ بتا سکتے ہیں۔ یہ کیسے بے ہوش ہوئے ہیں؟"

"جہاں تک میرا خیال ہے۔ یہ ان صاحب کو دیکھ کر بے ہوش ہوئے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے سالک جامی کی طرف

اشارہ کیا۔

"کیوں ان میں ایسی کیا بات ہے؟" ڈاکٹر نے حیران ہو کر کہا۔

"پتا نہیں۔ یہ تو یہی بتا سکتے ہیں۔"

"تب پھر آپ انھیں باہر بھیج دیں۔ ایسا نہ ہو کہ ادھر یہ ہوش میں آئیں، ادھر انھیں دیکھ کر پھر بے ہوش ہو جائیں۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔ مسٹر سالک۔ ذرا آپ کمرے سے باہر ٹھہریں، لیکن اِدھر اُدھر نہ جائیے گا۔"

"اچھی بات ہے۔" اس نے کہا اور باہر نکل گیا۔

ڈاکٹر کی کوشش سے اکبر لاشا جلد ہی ہوش میں آگئے، پھر فوراً ہی بولے:

"تم۔ مجھے کیا ہوا۔ میں کہاں ہوں؟"

"آپ اپنے کمرے میں ہیں۔ فکر نہ کریں۔"

"لیکن مجھے ہوا کیا تھا؟"

"پتا نہیں کیا ہوا تھا۔ آپ کے ملازم نے میرے ساتھ آئے ہوئے مہمان کو اندر نہیں آنے دیا تھا۔ آپ کو دروازے پر آنا پڑا۔ جونہی آپ نے مہمان کو دیکھا، آپ بے ہوش ہو گئے۔"

"مہمان ۔ بھلا میں آپ کے مہمان کو دیکھ کر کیوں بے ہوش ہوتا ۔ کہاں ہیں آپ کے مہمان ۔ بلائیے انھیں" انھوں نے کہا۔

انسپکٹر جمشید نے سوالیہ نظروں سے ڈاکٹر کی طرف دیکھا:

"بلا لیجیے ۔ کوئی حرج نہیں" انھوں نے اجازت دی۔

وہ دروازے پر گئے اور سالک جامی کو اندر آنے کا اشارہ کیا ۔ جونہی وہ اندر آئے ، ایک بار پھر اکبر لاشا نے چیخ ماری، لیکن اس مرتبہ وہ بے ہوش نہیں ہوئے ، بلکہ چلّا کر بولے:

"اُف مالک ۔ یہ ۔ یہ تو روح ہے ۔ سالک جامی کی رُوح"

"اوہ ! تو آپ سالک جامی کو جانتے ہیں ؟"

"صرف جانتا ہی نہیں ۔ میں تو اس کا دوست تھا ۔ گہرا دوست ۔ اکبر لاشا بولے ۔

"اب بات سمجھ میں آئی ۔ آپ انھیں روح سمجھے تھے"

"تو اور کیا سمجھتا ۔ میں اس کے دفن کے وقت قبرستان میں موجود تھا ۔ میری آنکھوں کے سامنے سالک کو دفن کیا گیا ہے ۔ اب ۔ اگر میں سالک کو دُنیا میں چلتے پھرتے دیکھوں تو کیا گزرے گی مجھ پر"

"لیکن لاشا صاحب ۔ یہ روح نہیں ہیں ۔ یہ دیکھیے ۔ میں انھیں چھو رہا ہوں"

"اگر یہ رُوح نہیں ہیں تو پھر کیا ہیں؟"

"یہ ایک جیتے جاگتے انسان ہیں۔"

"تو کیا یہ سالک کے میک اپ میں ہیں؟"

"ان کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ خود سالک جامی ہیں۔ جس شخص کو دفن کیا گیا۔ وہ کوئی اور تھا۔ سالک نہیں تھا۔"

"یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ یہ ضرور سالک کی جائیداد حاصل کرنے کا چکر ہے۔ انسپکٹر جمشید آپ اس کے دھوکے میں نہ آئیے گا۔" اکبر لاشا نے جلدی سے کہا۔

"مشکل یہ ہے کہ ان کا دولت حاصل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ یہ تو بس یہ چاہتے ہیں کہ ان کے گھر والے انہیں سالک مان لیں۔"

"بھلا وہ یہ بات کس طرح مان سکتے ہیں۔"

"اس کے لیے ہم نے یہ سوچا ہے کہ اس سالک کو قبر سے نکالا جائے۔ جسے دفن کیا گیا ہے۔"

"کیا مطلب؟" اکبر لاشا زور سے چونکا، پھر بولا:

"کیا اب قبروں سے مُردے نکالے جائیں گے؟"

"ہاں! مجبوری کی وجہ سے ایسا بھی کیا جا سکتا ہے۔ ورنہ ان کے گھر والے کبھی بھی انھیں سالک جامی نہیں مانیں گے۔ یا اگر یہ سالک جامی نہیں ہیں تو ہم یہ نہیں

جان سکیں کہ، یہ کون ہیں۔"

"کیا یہ میک اپ میں نہیں ہیں؟"

"نہیں۔ میک اپ کا جائزہ لے لیا گیا ہے۔ اگر یہ میک اپ میں ہوتے تو ان کا پردہ چاک ہو گیا تھا۔"

"گویا اب اس شخص کو قبر سے نکالا جائے گا۔ جسے دفن کر دیا گیا ہے۔"

"ہاں! اور اب آپ بے فکر ہو کر اپنے مہمانوں کے ساتھ رہیں۔ ہم ذرا ایک اور پُراسرار آدمی سے ملاقات کر آئیں۔"

"ایک اور پُراسرار آدمی۔ یہ کیا بات ہوئی؟"

"ابھی آ کر بتاتے ہیں۔ فی الحال تو بات ہمارے پلّے بھی نہیں پڑی"۔ انھوں نے کہا۔

اب وہ اس کمرے سے نکل کر اس کمرے کی طرف آئے۔ جس میں وہ پُراسرار آدمی محمود اور فاروق کو لے گیا تھا۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے ابا جان۔ اس کے نیند طاری کرنے کے بعد ہمیں کچھ اور ہی ہدایات دی ہوں۔"

"ہاں! یہی تو اُلجھن ہے"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

آخر وہ اس کمرے میں داخل ہوئے اور یہ دیکھ کر

ان کی حیرت کی انتہائی نہ رہی کہ وہ پُر اسرار آدمی ایک کرسی پر بڑے اطمینان سے بیٹھا تھا:

"میں جانتا تھا۔ یہ تینوں آپ کو لے کر یہاں ضرور آئیں گے۔"

"آپ جانتے تھے۔ یہ اچھی بات ہے۔ آپ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ ہم لوگ کون ہیں؟"

"بہت اچھی طرح۔" اس نے کہا۔

"اپنی ہپناٹزم کی طاقت مجھ پر آزما کر دکھائیں تو مانوں۔"

"میں اتنا بے وقوف نہیں۔"

"خیر جتنے ہیں بتا دیں۔ ہم اتنے سے ہی کام چلا لیں گے۔" فاروق نے کہا۔

"آپ پر ہپناٹزم کرنا آسان کام نہیں۔ ہاں میں آپ کے دوست خان رحمان پر کر سکتا ہوں۔"

"میرے بچوں کو کیا ہدایات دی ہیں آپ نے؟" انسپکٹر جمشید نے گویا اس کا جملہ سنا ہی نہیں۔

"صرف اتنی کہ یہ آپ کو یہاں لائیں گے۔ اور عام طریقے سے لائیں گے۔ یعنی میری کہانی سُنا کر۔ میرے بارے میں سب کچھ بتا کر۔ اور دیکھ لیں۔ یہ بالکل غیر محسوس طور پر آپ کو یہاں لے آئے۔" وہ مسکرایا۔

"چلیے ۔ آ گئے ۔ اب کیا پروگرام ہے ؟"

"آپ سے ایک سودا کرنا چاہتا ہوں"۔

"لیکن میں سوداگر نہیں ہوں ۔ ایک سرکاری آفیسر ہوں"۔

"جانتا ہوں ! اسی لیے تو سودے کی بات کر رہا ہوں"۔

"خیر ۔ سودے کی تفصیل بتائیں"۔

"سالک جامی کی لاش قبر سے نہ نکلوائیں"۔

"کیا مطلب ؟" وہ زور سے اچھلے آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"بس ! میں یہی چاہتا ہوں ۔ آپ سالک جامی کی لاش نہ نکلوائیں"۔ وہ بولا۔

"آپ ایسا کیوں چاہتے ہیں ۔ اور یہ سودا کس طرح ہو گیا ۔ ابھی آپ نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ اگر میں ایسا کردوں تو آپ بدلے میں کیا دیں گے"۔

"میں بدلے میں آپ کو بیگم جمشید دوں گا"۔

"کیا مطلب ؟" انسپکٹر جمشید اچھل پڑے۔

وہ سرد انداز میں مسکرا دیا اور پھر ٹھہرے ہوئے انداز میں بولا :

"اپنے گھر فون کر کے دیکھ لیں ۔ بیگم جمشید گھر پر نہیں ہیں"۔

"تت ۔ تو ۔ تو وہ کہاں ہیں ؟" انسپکٹر جمشید نے جھلا کر کہا۔

"پہلے فون" اس نے کہا۔

انسپکٹر جمشید نے گھر کے نمبر ملائے۔ گھنٹی بجتی رہی، لیکن ریسیور نہ اٹھایا گیا۔

"میری بیوی کہاں ہے؟" انسپکٹر جمشید سرد آواز میں بولے۔

"ایک منٹ بعد فون آئے گا۔ آپ اپنی بیوی سے بات کر سکیں گے۔" اس نے کہا۔

"تم نے یہ اچھا نہیں کیا۔ اب تمھارا انجام بہت ہی بھیانک ہو گا۔"

"بہت بڑی بھول میں ہیں انسپکٹر۔ آپ سب اس وقت میری مٹھی میں ہیں۔ اور یہ بات میں آپ کے بچّوں سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں۔" اس نے پُر سکون آواز میں کہا۔

"کون سی بات؟"

"مٹھی میں ہونے والی بات۔"

عین اس وقت فون کی گھنٹی بجی۔

"فون کا ریسیور اٹھا لیں انسپکٹر صاحب۔ یہ آپ کے لیے ہی ہے۔" یہ کہنے سے پہلے اس نے گھڑی پر نظر ڈالی تھی۔

انھوں نے ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے ایک کھردری آواز سنائی دی:

"مسٹر سوبراک کے جسم پر اگر ایک خراش بھی آئی۔ یا

وہ اس کوٹھی سے صرف تین منٹ بعد باہر نکلتے ہوئے نہ دیکھے گئے تو بیگم جمشید کے جسم پر سُرخ لوہے سے کئی نشان لگا دیے جائیں گے۔ لو اپنی بیگم کی بات سُن لو۔"

اس کے ساتھ ہی بیگم جمشید کی آواز سنائی دینے لگی:

"اس میں شک نہیں کہ یہاں گیس کے چولھے پر لوہے کی دو سلاخیں سرخ کر لی گئی ہیں۔ میں رسیوں سے بُری طرح جکڑی ہوئی ہوں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ان کا مطالبہ مان لیں۔ آپ وہی کریں گے۔ جو آپ کا فرض بنتا ہے۔ سنا آپ نے۔ آپ وہی کریں گے۔ اور میری پروا نہیں کریں گے۔ ورنہ کل لوگ یہ کہیں گے۔ انسپکٹر جمشید نے اپنی بیوی کو اذیت سے بچانے کے لیے اپنے فرض سے غداری کی ہے۔"

"بب۔ بیگم۔"

اس کے ساتھ ہی ریسیور رکھ دیا گیا۔

"تم۔ تم۔ تمہیں میں دیکھ لوں گا۔" انسپکٹر جمشید نے غرّا کر کہا۔

"بہت مشکل ہے انسپکٹر صاحب۔ آپ مجھے نہیں دیکھ سکیں گے۔ مجھ جیسے مجرم سے آپ کا پالا نہیں پڑا ہو گا۔ تین منٹ نہ ہو جائیں، اس لیے میں جا رہا ہوں مجھے روکنے

کا ارادہ تو نہیں ہے۔"

انسپکٹر جمشید چکرا گئے۔ اسے جانے کی اجازت دینے سے ابھی فرض کے راستے میں کوئی کوتاہی واقع نہیں ہو رہی تھی۔ اسے بعد میں گرفتار کیا جا سکتا تھا۔ اس طرح انھیں مہلت مل سکتی تھی۔ لہٰذا انھوں نے کہا:

"ٹھیک ہے۔ آپ جا سکتے ہیں۔"

"اور یہ بھی نوٹ کر لیں۔ میرا کوئی تعاقب نہیں کرے گا۔ اگر کرے گا بھی تو منہ کی کھائے گا، کیونکہ میں اس کا انتظام بھی کر چکا ہوں کہ میرا تعاقب نہ کیا جا سکے۔"

یہ کہ کر وہ کمرے سے نکل گیا۔ وہ سکتے کے عالم میں کھڑے رہ گئے:

"یہ کیا ہوا جمشید؟" پروفیسر داؤد بڑبڑائے۔

"ایک عدد شان دار شکست۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"سب سے پہلے تو ہمیں ان کے قبضے سے بھابی کو چھڑانا ہے۔" خان رحمان بے چین ہو گئے۔

محمود، فاروق اور فرزانہ کا برا حال تھا۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا۔ ورنہ وہ اس پُراسرار آدمی کی بوٹیاں نوچ لیتے۔

"ایک منٹ۔ مجھے سوچنے دیں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور

کرسی پر بیٹھ کر سر پکڑ لیا، پھر اکرام کے نمبر گھماتے:
"ہیلو اکرام۔ فوراً گھر پہنچو، لیکن کسی چیز کو ہاتھ نہ لگانا۔"
"خیر تو ہے سر؟"
لیکن انھوں نے ریسیور رکھ دیا اور انھیں ساتھ لے کر باہر نکل آئے۔ باغ میں پارٹی اسی طرح جاری تھی، لیکن ان کے لیے تو یہ دعوت بہت سنگین ثابت ہوئی تھی۔
وہ بھی تیز رفتاری سے گاڑی چلا کر گھر پہنچے۔ اکرام باہر موجود تھا۔ اور دروازے پر تالا لگا تھا۔
"اوہو۔ تو وہ جاتے ہوئے تالا بھی لگا گئے۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے اور پھر اپنی چابی سے تالا کھول ڈالا۔
اندر داخل ہوئے تو گھر میں کوئی بے ترتیبی نہیں تھی:
"اس کا مطلب ہے۔ بیگم کو بہت پُرسکون انداز میں اغوا کیا گیا ہے۔ لڑائی جھگڑے کی نوبت نہیں آئی۔"
انسپکٹر جمشید نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔
انھوں نے باریک بینی سے گھر کی ایک ایک چیز کا جائزہ لیا، لیکن نہ تو کسی چیز پر انگلیوں کے نشانات نظر آئے۔ نہ کوئی اور ایسی چیز نظر آئی جس کی مدد سے وہ کسی نتیجے پر پہنچ سکتے۔ البتہ صحن کے فرش پر ایک لمبا سا بال ضرور پڑا تھا۔ یہ بال سرخ رنگ کا تھا۔

"یہ تمھاری امّی کا نہیں ہو سکتا۔ اور نہ یہ بیگم شیرازی کا ہو سکتا ہے، کیونکہ تمھاری امّی کے بال سنہری ہیں اور بیگم شیرازی کے سیاہ۔ اس کا مطلب ہے۔ اغوا کے لیے کسی عورت کا سہارا لیا گیا اور اسی لیے یہاں کسی لڑائی جھگڑے کے آثار نہیں ہیں۔ عورت کی آواز سُن کر بیگم نے بے دھڑک دروازہ کھول دیا ہو گا۔ کسی ضرورت مند کے انداز میں وہ عورت یا لڑکی اندر آئی ہو گی اور پھر بیگم کو کسی طرح بے ہوش کر دیا گیا۔ پھر اس کا ساتھی یا اس کے ساتھ گاڑی دروازے پر لے آئے ہوں گے۔ گاڑی میں انھیں ڈالا گیا، تالا لگایا گیا اور چلتے بنے ہوں گے۔ گویا لے دے کے ہمارے پاس بس یہ ایک بال ہے۔ اس بال کے ذریعے ہم کس طرح ان لوگوں تک پہنچ سکتے ہیں۔"

"کچھ مجھے بھی بتائیے سر۔" اکرام نے کہا۔

انھوں نے جلدی جلدی اسے پوری بات بتائی۔

اکرام سوچ میں ڈوب گیا، پھر بولا:

"تب پھر میں تمام غلط جگہوں پر چھاپے مارنا شروع کرتا ہوں۔"

"ایسا کر لو، لیکن اُمید نہیں کہ اس طرح ان کا

کوئی سُراغ مل جائے، کیونکہ وہ کوئی عام مجرم نہیں ہے۔"

"آخر وہ چاہتا کیا ہے؟"

"یہ کہ میں قبر سے اس شخص کی لاش نہ نکلواؤں۔ جسے سالک سمجھ کر دفن کیا گیا ہے۔" محمود نے کہا۔

"نہیں۔ میرا مطلب ہے۔ وہ ایسا کیوں چاہتا ہے، اگر ہم نے قبر سے مردہ نکلوا لیا اور یہ ثابت کر دیا کہ وہ سالک نہیں ہے۔ تو اسے آخر کیا فرق پڑ جائے گا؟"

"یہی تو اس کیس کا سب سے اہم سوال ہے۔ جس کا جواب ہم کوشش کے باوجود معلوم نہیں کر سکے اور نہ ہم کوئی اندازہ قائم کر سکے۔"

"جمشید۔ تم یوں کیوں غور نہیں کرتے۔ سالک کے واپس اس گھر میں جانے سے کس شخص کو نقصان ہو سکتا ہے؟" ایسے میں پروفیسر داؤد بولے۔

"اچھی تجویز ہے۔ ہمیں مسٹر سالک سے ہی یہ بات پوچھنی چاہیے۔"

"میرے گھر والے دولت کے چکر میں نہیں ہیں۔ نہ کبھی رہے۔ وہ میری موت نہیں چاہتے۔ نہ میری وصیت میں کوئی ایسی بات ہے۔ قانون کے مطابق جس کا جو حق ہے۔ میرے مرنے کے بعد مل چکا ہے۔ اب اگر میں واپس

آ جاتا ہوں تو بھی وہ انھی کا ہے۔ ان حالات میں تو کسی کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔"

"لیکن وقتی طور پر تو وہ مالک نہیں رہیں گے۔ جب کہ اس وقت وُہ مالک ہیں۔"

"لیکن انھیں دولت کا لالچ ہرگز نہیں ہے۔ وُہ مجھے بہت چاہتے ہیں۔" اس نے کہا۔

"تب پھر وہ کون ہے۔ جس کو آپ کے واپس آ جانے سے نقصان پہنچتا ہے؟"

"میرے خیال میں تو ایسا کوئی بھی نہیں ہے۔"

"ایسا کوئی شخص ضرور ہے۔ خیر ہم فرض کر لیتے ہیں کہ وُہ شخص وہی پُر اسرار آدمی ہے۔ جس سے ابھی ہماری مُلاقات ہو چکی ہے۔ جس کا نام سوبراک بتایا گیا ہے۔ یہ شخص چاہتا ہے۔ کہ مُردہ نہ نکلوایا جائے۔ اس کو چیک نہ کیا جائے۔ یعنی سالک جامی اپنے گھر والوں میں نہ جا سکیں۔ مُردہ ہی رہیں، زندہ ہونے کی کوشش نہ کریں۔ آخر کیوں۔ اس شخص کو ان کے آ جانے سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟"

"افسوس۔ اس سوال کا کوئی جواب نہیں سوجھ رہا۔"

"شاید یہ کیس ہمارے دماغوں کی چولیں ہلا دے گا۔"

دوسری طرف امّی جان کی پریشانی دل دہلائے دے رہی ہے۔"
"پریشان ہونے سے کچھ فائدہ نہیں ہو گا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔
" اگر ہم امّی جان کا سراغ نہ لگا سکے اور دن نکل آیا، تو صبح آپ کیا کریں گے؟"
" کرنا کیا ہے۔ مردہ قبر سے نکلوایا جائے گا۔"
" اور ادھر امّی جان کا جسم سرخ سلاخوں سے داغا جائے گا۔" فرزانہ نے رو دینے والے انداز میں کہا۔
" زندہ قوموں پر ایسے وقت آیا ہی کرتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید پُرسکون آواز میں بولے۔
" اُلجھن بڑھ کر بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ آخر ہم۔ ہم۔ ہم۔ ارے"
محمود کہتے کہتے اچھل پڑا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔

پھر ملاقات ہو گی

"خیر تو ہے۔" انسپکٹر جمشید نے اسے گھورا۔

"ابھی ابھی مجھے ایک خیال آیا ہے... ہم سے نیشنل پارک میں... آج جس شخص نے ملاقات کی تھی... اس کا بھائی بلیس دن سے گم ہے۔"

"اس بات میں کوئی خیال موجود نہیں... یہ تو ہمیں پہلے ہی معلوم ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ہاں! خیال میں آگے پیش کر رہا ہوں۔" محمود مسکرایا۔

"اچھا تو پھر سسپنس بگھارنے کی کیا ضرورت ہے... پیش کرو۔"

"کہیں اس شخص کو تو سالک جامی کے روپ میں یہاں نہیں بھیجا گیا تھا... اور پھر وہ دل کا دورہ پڑنے سے مر گیا، لہٰذا اسے اسی روپ میں دفن کرنا پڑا..."

"ایسا ہونا ناممکن نہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اور اس کے ساتھ ہی ایک اور خیال مجھے آیا ہے۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے، خیالات کی بارش شروع ہو چکی ہے۔ لیکن ابھی تک کوئی قطرہ میری طرف کیوں نہیں آیا۔" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"بنجر زمینوں پر بارشیں کہاں ہوتی ہیں۔" فرزانہ مسکرائی۔

"پہلے فرزانہ اپنا خیال سناؤ۔" انسپکٹر جمشید نے برا سا منہ بنایا۔

"اور وہ خیال یہ ہے کہ دل کا دورہ۔" اس نے بس اتنا کہا اور خاموش ہو گئی۔

"یہ کیا بات ہوئی... وہ خیال یہ ہے کہ دل کا دورہ؟" محمود نے جھلا کر کہا۔

"معلوم ہوتا ہے... بے چاری کا دماغ چل گیا ہے۔" فاروق نے افسوس زدہ انداز میں کہا۔

"پہلے پوری بات تو سن لو۔" انسپکٹر جمشید نے تنگ آکر کہا۔

"بات تو یہ پوری کر چکی ہے، ابا جان۔"

"ہاں! یہ ٹھیک ہے... لیکن اس بات سے میں کیا بات کہنا چاہتی ہوں... یہ تم دونوں بتاؤ گے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"اس بات سے تم بس یہ بات کہنا چاہتی ہو کہ بات سے بات نکلتی ہے۔" فاروق فوراً بولا، وہ مسکرا دیئے۔

"نہیں... بات کچھ اور ہے... محمود تم بتاؤ۔"

"اب مجھے کیا معلوم... تمہارے اس انوکھے دماغ میں کیا بات گھس آئی ہے۔" محمود جل کر بولا۔

"میں فرزانہ کی بات کچھ کچھ سمجھ گیا ہوں... اور ساتھ میں یہ کہوں گا کہ فرزانہ کا سوال مشکل ہے... کوئی آدمی بھی اس حد تک اندازے نہیں لگا سکتا... یہاں تک کہ میں بھی نہیں۔"

"حالاں کہ جمشید تم اندازہ لگانے میں ماہر ہو۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"یہ آپ کا خیال ہے، میرا نہیں... میں تو ہر وقت یہ خیال کرتا ہوں کہ میرا شاید ہی یہ اندازہ درست ثابت ہو۔" انھوں نے مسکرا کر کہا۔

"آخر فرزانہ دل کے دورے سے کیا بات کہنا چاہتی ہے۔" خان رحمان بے چین ہو کر بولے۔

"یہ شاید یہ کہنا چاہتی ہے کہ اس کیس میں دل کے دورے کو بھی کوئی اہمیت ضرور ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"یہ ٹھیک ہے ابا جان... لیکن میں اس سے آگے

بھی کچھ کہنا چاہتی ہوں۔"

"تو پھر کہو نا... اِدھر اُدھر کیوں بھاگ رہی ہو۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"آنکھیں کھول کر بیٹھو... میں تو اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں۔"

"اس کا مطلب ہے... اگر میں آنکھیں کھول کر بیٹھوں گا تو تم اِدھر اُدھر بھاگنے لگو گی۔"

"فاروق... وقت نہ ضائع کرو... وقت سے زیادہ قیمتی چیز ہمارے پاس اور کوئی نہیں۔"

"اور جمشید! ہمارے ملک میں اس قیمتی ترین چیز کو بہت بے دردی سے ضائع کیا جاتا ہے۔"

"ہم شاید پھر دور نکلے جا رہے ہیں... بات ہو رہی تھی دل کے دورے کی۔" خان رحمان بولے۔

"ہاں فرزانہ! اب تم رُکے بغیر بات کر ڈالو... ورنہ یہ حضرت پھر بول اٹھیں گے۔" محمود نے گھبرا کر کہا۔

"نزلہ نہ جانے مجھ پر ہی کیوں گرتا ہے... حالاں کہ اس دوران سبھی بولتے رہے ہیں۔" فاروق جھلا اٹھا۔

"اچھا بھائی معاف کر دو اور اب فرزانہ کی بات سُن لو۔" محمود بولا۔

"میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ فرض کر لیتے ہیں... کچھ لوگوں

کا پروگرام یہ تھا کہ سالک جامی کے گھر ایک عدد نقلی سالک جامی بنا کر بھیجا جائے اور اس کے وطن واپس آنے سے پہلے پہلے... اپنا کام کر ڈالا جائے... وہ کام کیا تھا... ابھی ہم یہ نہیں جانتے، بہرحال... انھوں نے منصوبے کے مطابق نقلی سالک جامی کو ان کے گھر بھیج دیا... اس کا استقبال اصلی سالک کی طرح ہوا... لیکن گھر پہنچتے ہی اس پر دل کا دورہ پڑ گیا اور وہ اسی روپ میں مر گیا... اسی روپ میں اسے دفن کر دیا گیا... زیادہ جاننے یا یہ کہنے کا موقع ہی نہیں ملا... فرض کر لیتے ہیں... دل کا دورہ نہ پڑتا... تو کیا ہوتا۔" فرزانہ یہاں تک کہہ کر رک گئی۔

"بہت خوب فرزانہ تم نے واقعی ایک اہم لفظ اس کیس میں پیدا کر لیا ہے... اب تک ہم تو اتنا بھی نہیں کر سکے تھے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"سوال یہ ہے کہ ہم اس نقطہ سے کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔" پروفیسر داؤد نے کہا۔

"دو باتیں ہو سکتی ہیں... پہلی تو یہ کہ یہ سالک صاحب کی دولت میں سے بڑی حد تک اڑا لینے کا منصوبہ تھا... جو دل کا دورہ پڑنے سے ناکام ہو گیا... اور دوسری بات یہ کہ منصوبہ یہی تھا... کہ نقلی سالک، سالک صاحب کے گھر ان کے

روپ میں جائے اور جاتے ہی دل کے دورے سے مر جائے۔" فرزانہ ایک بار پھر رُک گئی۔

"تم درمیان میں رکتی بہت ہو۔" محمود نے تلملا کر کہا۔

"پہلی صورت میں منصوبہ تو گویا ہو گیا ناکام... اور دوسری صورت میں ہو گیا کامیاب... اب سوال یہ ہے کہ کوئی شخص یہ کیوں چاہتا ہے کہ اس نامعلوم آدمی کے مُردے کو نہ نکلوایا جائے... اس سے اسے کیا نقصان پہنچنا ہے..." فرزانہ نے یہاں تک کہا اور خاموش ہو گئی۔

"فرزانہ بات کو ایک موڑ پر تو لے آئی ہے... اس میں کوئی شک نہیں... مطلب یہ کہ جس کیس میں کسی کو بھی کوئی بات نہیں سوجھ رہی تھی... یہ ایک بات تو سجھا ہی دی... اب میں یہاں نہیں ٹھہر سکتا... مجھے فوراً حرکت میں آنا ہے۔" انھوں نے پُرجوش انداز میں کہا۔

دوسرے ہی لمحے وہ سب اپنی گاڑی میں بیٹھے اڑے جا رہے تھے...

"آخر ہم کہاں جا رہے ہیں ابا جان۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"ابھی مجھ سے کچھ نہ پوچھو... اس کلپ کو نہ بھولو... ہو سکتا ہے، اس پُراسرار آدمی نے اس قسم کے اور آلات

گئے... اسے نکالا گیا... ابھی اس کی حالت زیادہ خراب نہیں ہوئی تھی... اسی وقت اس کو لیبارٹری پہنچایا گیا... سالک کے لڑکے کو بھی وہیں رکھا گیا... پوسٹ مارٹم کیا گیا... اور ایک گھنٹے بعد انھیں مکمل رپورٹ مل گئی... یہ رپورٹ ان کے لیے حیرت انگیز تھی... مُردے کا دل بالکل درست حالت میں پایا گیا تھا... لیکن جسم میں ایک ایسی دوائی کے اثرات ضرور پائے گئے تھے... جس نے دل کی رگوں کو بالکل سکیڑ دیا تھا اور خون کا دورانیہ رُک گیا تھا... جس سے اس کی موت واقع ہو گئی تھی... اس کے چہرے پر اب بھی سالک جامی کا میک اَپ تھا... میک اَپ کی طرف پروفیسر داؤد متوجہ ہوئے... اور چند دواؤں کی مدد سے اس کامیاب ترین میک اَپ کو ختم کرنے میں کامیاب ہو سکے... اب چہرہ بالکل اور نکل آیا تھا...

"محمود... تم ذرا اسحاق جونی کو یہاں بلا لو... اگر ان کے گھر فون ہے تو فون کر دو... ورنہ خود جا کر اسے لے آؤ۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

محمود اور فاروق فوراً کار میں روانہ ہوئے، اور اسحاق جونی کو لے آئے... راستے بھر وہ حیرت زدہ سا رہا... پھر جونہی اسے مُردے کا چہرہ دکھایا گیا... وہ چلّا اٹھا...

"اُف مالک... یہ... یہ تو میرے بھائی آفاق ہیں..." اس نے چلاّ کر کہا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا... دوسری طرف سالک جامی کا لڑکا بوکھلا اٹھا:

"تت... تت... تو... یہ... یہ میرے والد ہی ہیں۔"

"اور نہیں تو کیا۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

وہ دوڑ کر ان سے لپٹ گیا... یہ بھی عجیب منظر تھا... ایک طرف خوشی لوٹ آئی تھی، تو دوسری طرف غم مل گیا تھا... انھیں آفاق جونی کے بھائی اور گھر والوں سے حد درجے ہمدردی محسوس ہونے لگی... وہ مُردے کو لے کر ان کے گھر پہنچے... سب نے مُردے کو دیکھا اور رونے لگے... پھر مُردے کو دفن کر دیا گیا... سالک کے گھر سالک کو لے کر پہنچے... ان کے بڑے بیٹے نے جب ساری بات گھر والوں کو بتائی... تو وہ خوشی سے دیوانہ وار سالک سے لپٹ گئے... دونوں گھروں کا منظر کس قدر مختلف تھا، وہ بھی خوشی اور غم کی کیفیات میں ڈوبے وہاں سے واپس ہوئے...

"چلیے! اس کیس کا ایک پہلو تو سامنے آیا... ایک شخص آفاق جونی کو اغوا کیا گیا، اس کے چہرے پر بہت ہی مہارت کے ساتھ اور ادویات کے ذریعے سالک جامی کا میک اپ کیا

گیا... اور اس کے گھر بھیج دیا گیا... لیکن راستے میں ہی اس کی طبیعت اس دوا کی وجہ سے خراب ہو چکی تھی... اس لیے نہ تو وہ ان سے کوئی بات کر سکا... نہ کچھ بتا سکا... اور گھر پہنچتے ہی مر گیا... سالک کے گھر والوں نے اسے سالک خیال کر کے دفنا دیا... یہ سوال اب تک اپنی موجود ہے کہ مجرم کو ایسا کرنے کی آخر کیا ضرورت تھی۔" انسپکٹر جمشید کہتے چلے گئے۔

"اس سوال کا جواب تو نہ جانے کب مل سکے گا... یا کہ آئے گا جمشید... پہلے بھابی کا کچھ کرو... یہ ناکامی اسے پاگل بنا دے گی اور کہیں وہ انھیں کوئی نقصان نہ پہنچا دے۔" خان رحمان نے پریشان ہو کر کہا۔

"ہاں خان رحمان... میں بھی یہی سوچ رہا ہوں... اور اب ذرا غور کرو... جس شخص نے یہ سارا کام کیا ہے، وہ کم از کم ایک ماہر ترین ڈاکٹر اور ماہر ترین میک اپ کرنے والا ہے... ہمارے ملک میں ایسا آدمی شاید کوئی نہیں ہے... وہ ضرور کوئی غیر ملکی ہے... پھر بھی پہلے میں اکرام سے پوچھتا ہوں۔"

یہ کہہ کر انھوں نے وائرلیس کے ذریعے اکرام سے رابطہ قائم کیا...

"اکرام! ہمارے ملک میں کوئی ایسا شخص موجود ہے... جو بیک وقت ایک ماہر ڈاکٹر بھی ہو اور میک اپ کرنے کا ماہر بھی ہو۔"

"مجھے غور کرنے دیں۔"

"ضرور، غور کر لو۔" وہ مسکرائے۔

ایک منٹ تک غور کرنے کے بعد اس نے کہا:

"نہیں سر! ہمارے ملک میں ایسا کوئی آدمی نہیں ہے۔"

"اچھا تو ایک ماہ کے اندر ہمارے ملک میں جتنے بھی غیر ملکی ڈاکٹر آئے ہیں... ان کے نام اور رہائشی پتے مجھے فوراً پہنچا دو... میں گھر میں ملوں گا۔"

"او کے سر۔" اس نے کہا۔

وہ گھر پہنچ گئے... معاملہ اب حد درجے سسپنس فل ہو چکا تھا... ابھی تک انھیں کوئی اندازہ نہیں تھا کہ وہ کامیابی کے نزدیک ہیں یا دور... قبر کی کھدائی انھوں نے بہت ہی خفیہ انداز میں کرائی تھی... جب کہ مجرم کو معلوم تھا کہ کھدائی صبح کرائی جائے گی... لیکن اس تک پہنچنے کے لیے انسپکٹر جمشید نے یہ کام اسی وقت کرنے کا فیصلہ کیا تھا اور اس کا فائدہ اب یہ ہوا تھا کہ ان کے سامنے ایک

ڈاکٹر کی شخصیت تو گویا تھی... تاہم ابھی ان کا کام آسان نہیں تھا... نہ جانے دوسرے ملکوں سے کتنے ڈاکٹر ان دنوں ان کے ملک میں آئے تھے... ان سب کو چیک کرنا آسان کام تو نہیں تھا... ایک بات ضرور تھی... اور وہ یہ کہ وہ اس کی آواز سن چکے تھے... اور اس کا نام بھی جانتے تھے، اگرچہ وہ سوبراک کے نام میں تو ہرگز نہیں آیا ہوگا... یا پھر یہ اس کا فرضی نام تھا... اصل نام کچھ اور تھا... بہرحال اب انھیں انتظار تھا اس فہرست کا... جو اکرام لانے والا تھا...

آخر ایک گھنٹہ بعد اکرام آیا... اور فہرست ان کے سامنے رکھ دی... وہ نام پڑھتے چلے گئے... پوری فہرست میں سوبراک کا نام نہیں تھا... البتہ چند نام ایس کے حرف کے بعد شروع ہوتے تھے... گویا نام کا پہلا حصہ ایس سے شروع ہوتا تھا... جس کو صرف ایس سے ظاہر کیا گیا تھا... اور ایسے نام چند تھے... لیکن یہ ضروری نہیں تھا کہ ان کے مجرم کا اصل نام ایس سے ہی شروع ہوتا ہو... سوبراک ایک بالکل فرضی اور وقتی نام بھی تو ہو سکتا تھا:

"میری ایک تجویز ہے... ہم اس کی آواز سن چکے ہیں، بشرطیکہ وہ آواز اس کی اصلی آواز ہو... اور اگر وہ آواز بدل کر بول رہا تھا... تب بھی کسی حد تک مشابہت ضرور

محسوس ہو گی... لہذا ہم ان سب کو فون کرتے ہیں ... اور آوازیں سننے کی مہم شروع کرتے ہیں ... پھر ان میں سے جس جس کی آواز اس کے قریب محسوس ہوئی... اس سے جا کر ملاقات کریں گے۔" فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔

"ان حالات میں اس سے بہتر ترکیب کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کچھ اس لیے بھی ابا جان... کہ یہ فرزانہ کی تجویز ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"نہیں بھئی... اگر تم کوئی تجویز دے سکتے ہو تو ہم اسے بھی قبول کریں گے۔"

"چلیے... فی الحال اس سے کام چلا لیں۔" اس نے سہمی صورت بنائی اور وہ مسکرا دیے۔

اب وہ ایک الگ سیٹ پر بیٹھ گئے... نام بھی تقسیم کر لیے گئے... اور فون کرنے کی مہم شروع ہوئی... انسپکٹر جمشید نے انھیں یہ ہدایت بھی دی:

"جو آواز ملتی جلتی نظر آئے... اس کے نام پر نشان لگاتے جانا ہے۔"

"جی بہتر۔"

فون کرنے کی یہ مہم کافی دیر تک جاری رہی... اور پھر

انسپکٹر جمشید نے پرجوش انداز میں کہا:
"میرا خیال ہے... ہم نے میدان مار لیا ہے... وہ آواز بدل کر بات نہیں کر رہا تھا... اور اس کا نام ڈاکٹر ایس جابروت ہے۔"

"اوہ! تب تو جلدی کریں... امی جان بھی اسی کی قید میں ہوں گی۔" فرزانہ نے بے چینی کے عالم میں کہا۔

"اس نے ایک ہوٹل شاہی کا سب سے اوپر والی منزل کا ایک پورا حصہ لے رکھا ہے... گویا اس کے ساتھ اور بھی آدمی موجود ہیں... ہمیں پورا انتظام کر کے جانا ہو گا۔"
یہ کہ کر انھوں نے اکرام کو ہدایات دیں اور پھر وہاں سے ہوٹل شاہی کی طرف روانہ ہوئے... اکرام ان سے کچھ دیر پہلے اس طرف روانہ ہو چکا تھا... جب وہ پہنچے تو ہوٹل غیر محسوس طور پر سادہ لباس والوں کے گھیرے میں تھا... یعنی ظاہر میں وہ گھیرے میں نہیں تھا... لیکن کوئی مشکوک آدمی ان کی نظروں سے بچ کر ہوٹل سے نہیں جا سکتا تھا... اکرام نے ایک درخت پر بھی چند سادہ لباس والوں کی ڈیوٹی لگائی تھی جو دوربین لیے ہوٹل کی اوپر والی منزل کا جائزہ لے رہے تھے اور یہ سب رات کے دو بجے کے قریب ہو رہا تھا... ہوٹل کی رنگینیاں اپنے عروج پر تھیں...

ہوٹل شاید ساری رات کھلا رہتا تھا اور تمام دن بھی...
کار سے اتر کر وہ سیدھے اندر کی طرف بڑھے... کسی
نے ان کی طرف توجہ نہ دی... ہوٹل بھی اتنا بڑا تھا...
گاہکوں کی یہاں کون پروا کرتا تھا... وہ لفٹ کے ذریعے
آخری منزل پر پہنچے... ایس جابروت نے کمرہ نمبر ۱۰۰ سے
۱۱۰ تک پر قبضہ کر رکھا تھا... گویا پورے دس کمرے اس
کے استعمال میں تھے... انھوں نے دبے پاؤں ایک ایک
کمرے کا جائزہ لیا اور پھر ایک کمرہ کے دروازے پر لگا
گھنٹی کا بٹن دبا دیا:

"کون ہے؟" اندر سے انھوں نے اسی پُر اسرار آدمی
کی آواز سنی... گویا انسپکٹر جمشید کا اندازہ سو فیصد درست
ثابت ہوا تھا...

"ملاقاتی۔" انسپکٹر جمشید نے آواز بدل کر گول مول جواب
دیا۔

"ملاقاتی... کون ملاقاتی؟"

"آپ دروازہ تو کھولیے نا۔" وہ پُرسکون آواز میں بولے۔

"جب تک پورا تعارف نہیں کراؤ گے... دروازہ نہیں
کھلے گا۔"

"پروفیسر صاحب آپ اپنا تعارف کرائیں۔" انھوں نے اشارہ

کیا۔

"میں ایک سائنس داں ہوں... اور آپ کے پیشے سے متعلق کچھ ضروری باتیں کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔"

"رات کے دو بجے؟"

"میں نے سنا تھا کہ اس ہوٹل میں ٹھہرنے والے دن کو سوتے ہیں، رات کو جاگتے ہیں۔"

"کیا آپ مجھے اُلّو کہنا چاہتے ہیں؟"

"میری ایسی مجال کہاں۔"

"پہلے کون بولا تھا۔"

"میرا ایک ساتھی۔"

"اچھی بات ہے... میں آپ سے ملاقات کیے لیتا ہوں، لیکن خیال رہے... میرا وقت بہت قیمتی ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں... ہم آپ کے صرف چند منٹ لیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

آخر کار دروازہ کھل گیا... اور پھر انھوں نے اسی پراسرار آدمی کو دیکھا... دوسری طرف اس نے انھیں دیکھا... بجلی کی سرعت سے اس نے دروازہ بند کرنا چاہا... لیکن محمود اس کے لیے پہلے ہی تیار تھا... اس نے فوراً دروازے میں پیر اڑا دیا... اور بولا:

"مسٹر سوبراک ... اب آپ کی کوئی چال نہیں چلے گی۔"
"اوہ... کمال ہے... آپ لوگ یہاں کس طرح پہنچ گئے؟"
اس کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔
"آخر کو ہم بھی سراغ رساں ہیں۔"
"یہ بات تو ماننا پڑ گئی۔" وہ مسکرایا۔
"سب سے پہلے تو ہماری امی کے بارے میں بتاؤ...
ویسے بھی اب تم ہم پر دباؤ نہیں ڈال سکو گے... قبر ہم کھلوا چکے ہیں۔"
"اوہ! تو تم نے مردے کا پوسٹ مارٹم کرا لیا ہے؟"
اس نے گھبرا کر کہا۔
"ہاں! اور اس کے ساتھ ہی ہم نے اس کے چہرے سے میک اپ بھی ختم کر دیا ہے... مطلب یہ کہ اب ہر بات ہمیں معلوم ہو چکی ہے کہ وہ سالک جامی نہیں تھا... بلکہ آفاق جونی تھا۔"
"اوہ اوہ... آپ نے تو سب کچھ معلوم کر لیا... کمال ہے۔" وہ ذرا بھی خوف زدہ نظر نہیں آ رہا تھا۔
"ابھی ایک اہم بات رہتی ہے... جو ہم ذہن کا پورا زور لگا کر بھی نہیں جان سکے... آخر اس واردات کا مقصد کیا تھا... دل کا دورہ بھی خود بخود نہیں پڑا تھا... یہ اس

دوا کی وجہ سے ہوا، جو تم نے آفاق کو کھلائی تھی... تو پھر آخر یہ سلا چکر چلانے کی ضرورت کیا تھی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"سات سو تین نمبر کمرے میں بیگم جمشید آرام کر رہی ہیں... پہلے جا کر ان سے مل لیں..." اس نے جیسے ان کی بات سنی ہی نہیں... محمود، فاروق اور فرزانہ فوراً دروازے کی طرف دوڑ پڑے... لیکن انسپکٹر جمشید نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی۔

"آپ نہیں جائیں گے ان کے ساتھ؟"

"میں اتنا بے وقوف نہیں... پہلے تم سے دو باتیں کروں گا... پھر تمھیں قانون کے حوالے کروں گا اور اس کے بعد بچوں کی والدہ سے ملوں گا۔"

"بہت چالاک ہو... تم سے مل کر خوشی ہوئی۔"

"لیکن مجھے کوئی خوشی نہیں ہوئی... اب اصل بات بتاؤ۔"

"اصل بات... کون سی اصل بات؟"

"اتنا لمبا چوڑا چکر چلانے سے تمھارا مقصد کیا تھا۔"

"بس یہ تجربہ کر کے دیکھنا چاہتا تھا... اب اس تجربے کے ذریعے حیرت انگیز کام کیے جائیں گے۔"

"صرف ایک تجربہ کرنے کے لیے تو تمھیں سفر کرنے اور اس مہنگے ہوٹل میں اتنے کمرے لے کر رہنے کی ضرورت

نہیں تھی۔"

"ہم لوگ تجربات پر اسی طرح پیسے خرچ کرتے ہیں... یہی تو ہماری کامیابی کا راز ہے۔"

"پھر... تمہارا تجربہ کامیاب رہا یا ناکام؟"

"بالکل کامیاب۔"

"تم آفاقی جونی کے قاتل ہو... میں تمہیں اس الزام کے تحت گرفتار کرتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیا واقعی؟" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"اور یہ پورا ہوٹل اس وقت گھیرے میں ہے۔" انھوں نے کہا۔

"اوہو اچھا... تب تو میں مصیبت میں پھنس گیا ہوں، لیکن نہیں... میں مصیبت میں پھنسنے کا عادی نہیں ہوں، لہٰذا میں تو چلا... پھر ملاقات ہو گی۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی ایک دھماکا ہوا، کمرہ دھوئیں سے بھر گیا... بے ہوش ہونے سے پہلے انسپکٹر جمشید کے منہ سے یہ الفاظ نکلے:

"تم کامیاب نہیں ہو سکتے... ہوٹل۔"

اور پھر وہ بے ہوش ہو گئے... ان کے ساتھی ان سے پہلے گر چکے تھے... محمود، فاروق اور فرزانہ کمرہ نمبر سات سو تین کے

دروازے پر پہنچ چکے تھے اور ابھی تالا کھولنے کے چکر میں تھے کہ انھوں نے دھماکے کی آواز سنی ... فوراً اس طرف پلٹے... لیکن اسی وقت ان پر کسی نے پیچھے سے زبردست وار کیے اور وہ تڑاتڑ گرتے چلے گئے ... بے ہوش ہونے سے پہلے انھوں نے بہت سے دوڑتے قدموں کی آواز سنی :

انھوں نے آنکھیں کھولیں تو مطلع صاف ہو چکا تھا... سوبراک کا دور دور تک پتا نہیں تھا... نہ اس کا کوئی ساتھی ان کمروں میں موجود تھا... البتہ کمرہ نمبر سات سو تین میں بیگم جمشید ایک کرسی سے بندھی ہوئی تھیں... ان کے منہ پر بھی ٹیپ چپکا دی گئی تھی... تاکہ ان کی آواز نہ نکل سکے ...

"بھول ہو گئی... ہمیں گیس ماسک پہن کر آنا چاہیے تھا۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے... پھر خان رحمان کی خوف زدہ آواز سنائی دی :

"ارے! پروفیسر داؤد کہاں ہیں۔"

انھوں نے جلدی جلدی ادھر اُدھر دیکھا... پروفیسر داؤد کا بھی کہیں پتا نہ تھا...

سوبراک

وہ فوراً نیچے اترے... نیچے کسی تبدیلی کے آثار نظر نہ آئے، اکرام فوراً ان کی طرف آیا:

"کیوں سر... کیا رہا؟"

"مجرم فرار ہو گئے... کیا تم نے انھیں فرار ہوتے نہیں دیکھا۔"

"نہیں تو سر۔"

"حیرت ہے... پھر وہ کس طرف سے فرار ہوئے ہیں اور مزے کی بات یہ ہے کہ پروفیسر داؤد بھی غائب ہیں۔"

"حیرت ہے... بھلا وہ انھیں کیوں ساتھ لے گئے۔"

"یہ تو اب دیکھنا پڑے گا... اکرام اور آدمی بلا لو... اس ہوٹل کو پوری طرح چیک کرنا پڑے گا۔"

"او کے سر۔"

آدھ گھنٹے کے بعد ہوٹل کی چیکنگ شروع ہوئی... انتظامیہ

کو ایک طرف کر دیا گیا... گاہکوں کو باہر نکال دیا گیا... پہلے تو ہوٹل کے مینجر سے کہا گیا کہ اگر ہوٹل سے کوئی خفیہ راستا جاتا ہے تو بتا دے... لیکن اس نے ہونٹ سی لیے... لہذا انھیں خود ہی کوشش کرنا پڑی... اور آخر دو گھنٹے کی مسلسل کوشش کے بعد انھیں ایک سرنگ نما راستے کا سراغ مل گیا... یہ راستا ہوٹل کے تہ خانے میں بنایا گیا تھا... گویا ہوٹل کی انتظامیہ کا سوبراک سے کوئی خاص تعلق تھا.. سرنگ کے ذریعے فرار ہوتے وقت بھی ان لوگوں نے کوئی سراغ نہیں چھوڑا تھا... باہر وہ راستا ہوٹل سے کچھ دور درختوں کے ایک جھنڈ میں نکلتا تھا... اتنے فاصلے تک اکرام نے اپنے آدمی پھیلائے ہی نہیں تھے...

"چوٹ پر چوٹ ..." محمود بڑبڑایا.

"ہوٹل کے مالک اور مینجر کو پکڑ لیں... معلوم ہو جائے گا... سوبراک کہاں ہے." فرزانہ نے کہا.

"ہاں! اب یہی کرنا ہو گا."

ان دونوں کو گرفتار کر کے ہوٹل سیل کر دیا گیا... انھیں کمرۂ امتحان میں لایا گیا:

"سوبراک کے متعلق تم کیا جانتے ہو؟"

"وہ ہمارا ہم وطن ہے... اس نے ہوٹل میں رہائش

اختیار کرتے وقت پوچھا تھا کہ اس ہوٹل سے نکلنے کا کوئی خفیہ راستا ہے... ہم نے اسے راستا دکھا دیا۔" مالک نے کہا۔

"ہوں... خفیہ راستا بنانے کی ضرورت کیا تھی۔" انسپکٹر جمشید نے تیز لہجے میں کہا۔

اس سوال کا وہ کوئی جواب نہ دے سکا... بالکل خاموش رہا:

"اس سوال کا جواب تو تمہیں دینا ہوگا بھئی۔"

"میرے پاس کوئی جواب نہیں... بس میں نے احتیاط کے طور پر بنوایا تھا۔"

"اس کا مطلب ہے... ہوٹل میں کوئی غیر قانونی کام ہوتا رہا ہے... اور شاید اب بھی ہوتا ہے۔"

"نن... نہیں۔" اس نے کہا۔

"ہم اس پہلو سے بھی جائزہ لیں گے۔"

"ہوٹل میں کوئی غیر قانونی کام نہیں ہوتا رہا... آپ ضرور چیک کریں۔"

"تو پھر کیا ہوتا رہا ہے... جس کے لیے خفیہ راستا بنایا گیا تھا۔"

"بس بلا وجہ ہی بنوا لیا گیا تھا۔" اس نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"تمھارا نام کیا ہے مسٹر" انسپکٹر جمشید ناخوش گوار لہجے میں بولے۔

"میرا نام شومی ڈابر ہے۔" اس نے بتایا۔

"اکرام... ہوٹل کو ایک بار پھر سے چیک کرو.... اخباری نمائندے ساتھ لے جانا... تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ غیر ملکیوں پر ظلم کیا گیا ہے۔"

"او کے سر" اکرام نے کہا اور فوراً جانے کے لیے مڑ گیا...

"مسٹر شومی... آپ کس ملک کے رہنے والے ہیں۔"

"برطانیہ۔" اس نے منہ بنایا۔

"اس سادہ کاغذ پر اپنی انگلیوں کے نشانات دے دیں۔"

"کیوں... کس لیے۔"

"تاکہ تم سے انصاف ہو سکے۔"

"کیا مطلب؟... میں سمجھا نہیں۔"

"کیا تم ہی اس ہوٹل کے مالک ہو" انھوں نے سرد آواز میں کہا۔

"ہاں بالکل۔"

"میں ہوٹل کے کاغذات بھی چیک کرنا چاہتا ہوں....

بتاؤ... وہ کہاں ملیں گے؟"

"وہ میں خود نکال کر دے سکوں گا... آپ لوگوں کو نہیں ملیں گے۔"

"گویا وہ بھی کسی خفیہ جگہ رکھے ہیں... اس کی کیا ضرورت تھی۔" انھوں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"آپ تو بال کی کھال اتارتے ہیں۔"

"گھبرانے کی ضرورت نہیں... وقت آنے پر آپ کی بھی اتاری جائے گی۔" فاروق بولا۔

"یہ ناممکن ہے... آپ لوگ مجھے ہاتھ بھی نہیں لگا سکیں گے... اب تک تو میری گرفتاری کی اطلاع برٹائن پہنچ بھی گئی ہو گی۔"

"تو پھر... وہ کیا کرے گا۔"

"ابھی فون کرے گا... تمھارے ملک کے صدر کو ہمارے وزیراعظم کی بات ماننا ہی پڑے گی۔"

"کیوں... کیا ہم اب تک برٹائن کے غلام ہیں۔"

"بالکل..." اس نے فخریہ انداز میں کہا۔

"کیا کہا۔" انسپکٹر جمشید چلائے۔

"چلانے کی ضرورت نہیں انسپکٹر... تم اور تمھاری پوری قوم آج تک ہمارے غلام چلے آ رہے ہیں... تمھیں ابھی تجربہ

ہو جائے گا۔"

"تم بھی سن لو... چاہے کچھ ہو جائے... میں تمہیں اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا، جب تک کہ سوبراک کے بارے میں نہ بتا دو اور اگر تمہارے ہوٹل سے منشیات وغیرہ نکل آئیں... تب تو سوال ہی پیدا نہیں ہو گا۔"

"دیکھا جائے گا۔" اس نے کندھے اچکائے۔

ایک گھنٹے بعد اکرام کی واپسی ہوئی... اس کا چہرہ چمک دمک رہا تھا:

"معلوم ہوتا ہے، کامیاب لوٹے ہو۔"

"یس سر... تہ خانے کے ایک خفیہ کمرے میں منشیات کا ذخیرہ موجود ہے... تمام غیر ملکی نمائندے وہاں موجود تھے اور انھوں نے تصاویر وغیرہ لے لی ہیں... انھیں یہ بھی معلوم ہے کہ ہوٹل پر پہلا چھاپہ کس وقت مارا گیا تھا... اس وقت ہوٹل کا مالک، منیجر وغیرہ اور دوسرا عملہ سب موجود تھے... پھر ہوٹل کو خالی کرایا گیا تھا... اور باہر پہرہ مقرر کیا گیا تھا... ہوٹل کو سب کے سامنے سیل کیا گیا تھا... اس وقت بھی غیر ملکی نمائندے موجود تھے... اب انھی کے سامنے سیل کو توڑا گیا... بلکہ اس خفیہ کمرہ کی تلاش میں بھی دو نمائندوں نے مدد کی... وہ انجینئر قسم کے آدمی تھے... اس طرح گویا

ہمارا کام بالکل ہو چکا ہے۔" اکرام روانی کے عالم میں کہتا چلا گیا۔

"بہت خوب اکرام... مزا آگیا... اب مسٹر شومی ڈابرہ... کیا کہتے ہو۔"

"کچھ نہیں ہوگا... ہم مکھن سے بال کی طرح نکل جائیں گے۔"

"اچھی بات ہے... اکرام اب تم اسے ساتھ لے جاؤ اور اس کے کاغذات بھی ہوٹل سے حاصل کرو... خیال رہے... یہ فرار نہ ہونے پائے... اور غیر ملکی نمائندوں کو ساتھ لینا اب بھی نہ بھولنا۔"

"بہت بہتر سر..." اکرام بولا اور شومی کو لے کر چلا گیا... مینجر کو وہیں رکھا گیا۔

"اب آپ بھی ذرا اپنا نام بتا دیں۔"

"میں جان روڈف ہوں۔"

"یہ تو ہم نے مان لیا کہ آپ جان روڈف ہیں... لیکن ہوٹل میں خفیہ راستا کیوں بنوایا گیا تھا..."

اب آپ نے منشیات برامد تو کر لی ہیں... اس خیال سے بنوایا گیا تھا کہ اگر کبھی چھاپہ پڑے تو اس طرف سے فرار ہو جائیں۔" اس نے برا سا منہ بنایا۔

"پتا نہیں... کیا بات ہے... اب تک یہ الجھن محسوس کر رہا ہوں... وہ راستا کسی خاص مقصد کے لیے بنایا گیا تھا... یہ بات میرا ذہن بار بار کہ رہا ہے... اور یہ بھی کہ راستا بہت پہلے نہیں... حال ہی میں بنایا گیا ہے۔"

"یہ اندازہ تو کوئی انجینئر ہی لگا سکتا ہے جمشید۔" خان رحمان بولے۔

"ہاں! اب ادھر کسی انجینئر کو بھی بھیجنا ہو گا... محمود، فاروق، تم اپنے انکل غفور میاں کو تو ہوٹل لے جاؤ... یہ بُرا لگتا ہے کہ میں انھیں فون کر کے کہوں کہ وہ ہوٹل جا کر ذرا اس راستے کا جائزہ لے آئیں۔"

"ٹھیک ہے ابا جان! ہم چلے جاتے ہیں..." محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"خوش تو اس طرح ہو رہے ہو جیسے کھانے کی کوئی مزے دار چیز مل گئی ہے... وہ بھی بے بھاؤ۔"

"کام ملنے کی خوشی اس سے بھی بڑھ کر ہوتی ہے مجھے... آؤ۔" اس نے کہا۔

دونوں غفور میاں کے گھر پہنچے... انھیں ساتھ لے کر ہوٹل آئے... وہاں اکرام موجود تھا... انھیں دیکھ کر بولا:

"کاغذات مل گئے ہیں... اور ہم مسٹر شومی ڈرابر کو لے

جا رہے ہیں؟... آپ لوگ کیسے آئے؟"

"انکل غفور میاں اس خفیہ راستے کا جائزہ لیں گے۔"

"اوہ اچھا... تو کیا میں بھی ٹھہروں؟"

"نہیں... آپ چلیں... ہم آتے رہیں گے۔"

وہ خفیہ راستے کے سامنے پہنچ گئے... غفور میاں عمارات کا وسیع تجربہ رکھتے تھے... انھوں نے اپنا کام شروع کیا... محمود اور فاروق ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو گئے:

"یار فاروق... مجھے عجیب سا احساس ہو رہا ہے... ایسا احساس جیسے اس ہوٹل کی آنکھیں ہوں... اور یہ ان آنکھوں سے ہمیں بری طرح گھور رہا ہو۔"

"تب تم اپنے دماغ کا کسی اچھے ڈاکٹر سے علاج کراؤ۔"

غفور میاں ہنس پڑے... دونوں کی آواز ان تک پہنچ رہی تھی:

"آپ شاید اس لیے ہنسے ہیں انکل کہ آپ کو میرا مشورہ پسند آیا ہے۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"نہیں بھئی... میں تمھارے جملے پر ہنسا ہوں... ویسے خود میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں... کہ اس ہوٹل کی ہزاروں آنکھیں ہیں اور یہ ان آنکھوں سے ہمیں دیکھ رہا ہے۔"

"ارے باپ رے... تب تو آپ بھی گئے کام سے... اور میرا آپ کے لیے بھی یہی مشورہ ہے۔"
"ہوٹل سے باہر نکل کر اس مشورہ پر غور کریں گے۔" انھوں نے کہا۔
"اگر آپ کو بھی یہی محسوس ہو رہا ہے انکل... تو پھر میرا دماغ خراب نہیں ہو سکتا... اس ہوٹل میں ضرور کوئی بات ہے۔" محمود نے پُرجوش انداز میں کہا۔
"یہ ٹھیک ہے... ویسے محمود اگر تم نہ آتے... تو میں یہ جملہ نہ کہہ سکتا... کہ اس ہوٹل کی آنکھیں ہیں جو ہمیں گھور رہی ہیں... ہاں میں الجھن کا شکار ہو کر ضرور یہاں سے لوٹتا۔"
"لیکن اب ہم الجھن کا شکار ہو کر بھی نہیں لوٹیں گے، چاہے ہمیں اس کی اینٹ سے اینٹ بجانا پڑے۔"
"پہلے میں راستے والا کام مکمل کر لوں۔"
وہ اپنے آلات سے سرنگ میں مصروف رہے... آخر آدھ گھنٹے کے بعد ان کے پاس آ گئے:
"یہ راستا ابھی ایک ماہ پہلے بنایا گیا ہے۔"
"کیا..." ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔
"ہاں! اس سے پہلے کا یہ ہو ہی نہیں سکتا۔"

"اوہ ... اور ایک ماہ پہلے ہی ڈاکٹر ایس جابروت یعنی سوبراک یہاں آیا تھا... گویا... وہ ایک منصوبے کے تحت یہاں آیا تھا... اسے ہدایات دی گئی تھیں کہ ہوٹل شاہی میں جا کر ٹھہرے اور اپنے لیے خفیہ راستا بھی بنوا لے... اب یہ بات بھی ظاہر ہو گئی ہے کہ یہ ہوٹل دراصل برٹائن کے لیے جاسوسی کرتا ہے... لیکن... سوبراک کیا منصوبہ لے کر آیا تھا... یہ ہم ابھی تک معلوم نہیں کر سکے... اتنا جانتے ہیں کہ اس نے ایک شخص آفاق جوشی کو اغوا کیا تھا... قریباً بیس روز پہلے... اس شخص کو اس نے سالک جامی کا روپ دیا، ایک دوا کھلائی" اور سالک جامی کے گھر بھیج دیا.... اسے وہاں جا کر صرف یہ بتانا تھا کہ وہ بغیر اطلاع آ گیا ہے... لیکن راستے میں ہی اس پر دل کا دورہ پڑا، جو اس دوا کی وجہ سے تھا اور گھر پہنچتے ہی وہ مر گیا... اب سوال یہ ہے کہ اس کے گھر والے تو اپنے خیال میں سالک جامی کو ایئرپورٹ سے لینے گئے تھے، تو پھر نقلی سالک جامی ایئرپورٹ سے نکل کر ان تک کس طرح پہنچا... اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ اسے اغوا کر کے برٹائن لے جایا گیا... اوہ ہاں... سوبراک.

ہپناٹزم کا ماہر بھی تو ہے... ضرور اس نے اس پر ہپناٹزم کر دیا ہو گا... اس طرح وہ اسے برٹائن لے گیا اور دراصل اس پر سالک کا میک اَپ وہاں کیا گیا... وہاں سے ہی فون کر دیا گیا کہ میں آ رہا ہوں... اس کے بعد سوبراک اسے ساتھ لے کر یہاں کے ہوائی اڈے تک آیا... دوا وہ اسے کھلا چکا تھا... باہر اس کے رشتہ دار کھڑے تھے... سوبراک نے ان کی تصاویر اسے دکھا دی ہوں گی... اور ہپناٹزم کے ذریعے بھی ہدایات دی ہوں گی... لہٰذا وہ ان کے ساتھ گھر کی طرف روانہ ہوا... اور پھر بیمار ہو کر مر گیا..." محمود رکے بغیر کہتا چلا گیا...

"بالکل اسی طرح ہوا ہے... بالکل..." فاروق نے بھی پُرجوش انداز میں کہا۔

"لیکن وہ سوال اپنی جگہ موجود ہے... آخر اس سارے منصوبے سے اس کا مقصد کیا ہے؟"

"کاش وہ مجھے مل جائے... میں یہ سوال فوراً اس سے پوچھ لوں گا۔" فاروق نے سرد آہ بھری.. غفور میاں پھر ہنس دیے...

"اچھا انکل... اب ہوٹل کی آنکھوں کا کیا کرنا ہے؟" محمود نے کہا۔

"ہوٹل کی آنکھوں کا... بھئی واہ... ہوٹل کی آنکھ... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔" فاروق چہکا۔

"ہو سکتا ہو گا..." محمود تلملا اٹھا۔

"میں ابھی چیکنگ کرتا ہوں... لیکن بھئی اس میں دیر لگ جائے گی۔"

"کوئی بات نہیں... ہم دیر لگ جانے کے عادی ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

غفور میاں نے اب ہوٹل کی دیواروں کو چیک کرنا شروع کیا... رفتہ رفتہ ان کے چہرے پر حیرت کے بادل گہرے ہوتے چلے گئے... آخر انھوں نے کہا:

"یہ ہوٹل تو ایک معمہ ہے بھئی..."

"تب پھر اس معمے کو آپ ہی حل کریں... یہ معمہ ہمارے بس کا روگ تو ہو نہیں سکتا۔"

"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے... بہرحال میں اس کو حل کروں گا... تم جانا چاہو تو جا سکتے ہو... یہاں دو ایک سادہ لباس والوں کو بھیج دو۔"

"نہیں انکل... ہم یہیں رہیں گے۔" محمود نے کہا۔

"بالکل... آپ کو ساتھ لے کر آئے ہیں... ساتھ لے کر جائیں گے۔"

وہ ایک بار پھر کام میں مصروف ہو گئے... ان کی مسلسل کوشش سے اچانک ایک خفیہ دروازہ کھل گیا... لیکن اس کے ساتھ ہی دروازے سے دھوئیں کا ایک بادل نکلا اور وہ اس میں چھپ گئے... وہ اس دھوئیں کے پار ایک سائے کو تو دیکھ سکے... اور اس کے بعد انھیں کچھ ہوش نہ رہا...

ہوش آیا تو ایک کمرے میں بند پڑے تھے:

"یہ کیا ہوا انکل۔"

"بھئی آخر وہ ہمیں اپنے کمرے میں بیٹھا دیکھ رہا تھا... جگہ جگہ ٹی وی کیمرے فٹ کیے گئے ہیں ان دیواروں میں، اسی لیے ہمیں یہ محسوس ہو رہا تھا کہ بہت سی آنکھیں ہمیں گھور رہی ہیں... ظاہر ہے... جب ہم اس خفیہ دروازے کو کھولنے میں کامیاب ہوئے تو وہ ہاتھوں پر ہاتھ رکھ کر تو بیٹھا نہیں رہ سکتا تھا۔"

"گویا اب ہم اس کی قید میں ہیں... اور ہمارے ساتھ آپ بھی۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"کوئی بات نہیں... اس میں تم دونوں کا کیا قصور۔"

"الجھن یہ ہے کہ ابا جان وغیرہ ہماری تلاش میں ادھر آئیں گے تو اس خفیہ دروازے تک نہیں پہنچ سکیں گے۔"

"کسی اور انجینئر کی خدمات حاصل کر لی جائیں گی..."

غفور میاں مسکرائے۔

"اس کا مطلب تو پھر یہ ہوا کہ سوبراک ہوٹل میں ہی موجود ہے... اس راستے کے ذریعے فرار ہرگز نہیں ہوا... لیکن چونکہ ہم نے راستہ دریافت کر لیا تھا... اس لیے یہی اندازہ لگایا گیا کہ وہ اس راستے سے فرار ہو گیا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے... یہ حضرت سوبراک بہت زیادہ چالاک ہیں۔" فاروق بڑبڑایا۔

"پروا نہ کرو... ان کی چالاکی کا جواب دے دیا جائے گا۔"

"مشکل ہے دوستو!"

ایک آواز نے انھیں چونکا دیا... جلدی سے آواز کی طرف مڑے تو دھک سے رہ گئے... سوبراک ان کے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا... اس کی مسکراہٹ حد درجے طنزیہ تھی...

فرضی مالک

اکرام نے کاغذات انسپکٹر جمشید کے سامنے رکھ دیے :
"یہ لیجیے سر... کاغذات حاضر ہیں۔"
"بہت خوب اکرام... محمود اور فاروق غفور میاں کے ساتھ وہاں پہنچے یا نہیں؟"
"جی ہاں! ہم وہاں سے نکل رہے تھے... عین اسی وقت وہ وہاں پہنچ گئے تھے..."
"چلو ٹھیک ہے..." انھوں نے کہا اور کاغذات کا مطالعہ کرنے لگے... باقی لوگ خاموش بیٹھے رہے... آخر انھوں نے سر اٹھا کر کہا :
"مسٹر ڈابر... یہ کاغذات آپ کے خلاف مکمل ثبوت ہیں... آپ برطانیہ کی طرف سے یہاں جاسوس مقرر ہیں... ہمارے ملک کی جاسوسی کرتے ہیں... اور خبریں اپنے ملک کو بھیجتے ہیں... میں غلط تو نہیں کہہ رہا۔"

"یہی بات ہے... لیکن آپ اب بھی مجھے جیل نہیں بھجوا سکیں گے... بس فون آیا ہی..."

اس کے الفاظ درمیان میں رہ گئے... اسی وقت فون کی گھنٹی بجی تھی... انسپکٹر جمشید نے ایک تیز نظر اس پر ڈالی اور بولے:

"انسپکٹر جمشید بات کر رہا ہوں... فرمایئے۔"

"یہ میں ہوں انسپکٹر جمشید۔" ایک کھردری آواز سنائی دی... انھوں نے آواز پہچان لی... یہ وزیر خارجہ تھے۔

"فرمایئے سر۔"

"تم نے شومی ڈابر... ہوٹل شاہی کے مالک کو گرفتار کیا ہے۔"

"ہاں جناب... بالکل کیا ہے۔"

"تو پھر فوراً سے پہلے اسے چھوڑ دیا جائے... یہ میرا حکم ہے۔"

"مجھے افسوس ہے سر... میں آپ کا یہ حکم نہیں مان سکتا، اس لیے کہ شومی ڈابر کے خلاف میرے پاس بہت زبردست ثبوت موجود ہیں... وہ ہمارے ملک کی جاسوسی کرتا رہا ہے... ہمارے ملک کے راز برشان بھیجتا رہا ہے۔"

"اس بات کا آپ کے پاس کیا ثبوت ہے..." انھوں

نے جھلا کر کہا۔

"ہوٹل کی ایک خفیہ جگہ سے ڈابر کے کاغذات ملے ہیں ... ان کاغذات کی مدد سے وہ برٹائن کا جاسوس ہے۔"

"اوہو اچھا۔"

"اگر آپ یہ کاغذات دیکھنا پسند کریں تو پیش کروں۔"

"ہاں !. میرے پاس لے آئیں۔" انھوں نے کہا... اور ریسیور رکھ دیا۔

"میں ذرا وزیر خارجہ تک جا رہا ہوں... فرزانہ تم میرے ساتھ آؤ۔"

"کیوں نہ ہم بھی چلیں جمشید۔" پروفیسر بولے۔

"جیسے آپ کی مرضی... ایک منٹ ... میں ابھی آیا..." یہ کہ کر وہ ایک اور کمرے میں چلے گئے... چند منٹ بعد واپس آئے ...

خان رحمان بھی اٹھ کھڑے ہوئے... چاروں وزیر خارجہ کی کوٹھی پہنچے ... انھیں فوراً ہی ڈرائنگ روم میں بٹھایا گیا... پانچ منٹ کے جان لیوا انتظار کے بعد وزیر خارجہ اندر داخل ہوئے، اور پھر ان کی پیشانی پر بل پڑ گئے... یہ بل شاید پروفیسر داؤد اور خان رحمان کو دیکھ کر پڑے تھے۔

"ان حضرات کو ساتھ لانے کی کیا ضرورت تھی۔" انھوں

نے ناخوش گوار لہجے میں کہا:

"میں انھیں لایا نہیں ... یہ خود ساتھ آئے ہیں .. لیکن آپ نے ان کے آنے کو اس قدر محسوس کیوں کیا ہے." ان کے لہجے میں حیرت تھی.

"وہ کاغذات دکھایئے..." وزیر خارجہ نے جیسے ان کا جملہ سنا ہی نہیں ...

انسپکٹر جمشید نے کاغذات ان کے سامنے رکھ دیئے ... وہ ان کا مطالعہ کرتے رہے ... آخر سر اٹھا کر انھوں نے کہا:

"اس میں شک نہیں کہ شوی ڈابر واقعی جاسوسی کرتا رہا ہے ... اس کا یہ جرم ناقابلِ معافی ہے ... لہذا ہم اسے برٹائن بھجوا دیں گے ... آپ اسے چھوڑ دیں."

"یہ ... یہ آپ کیا کہ رہے ہیں سر ... یہ کاغذات پڑھنے کے بعد بھی؟!"

"ہاں! ہم اس سے زیادہ اسے اور کوئی سزا نہیں دے سکتے." وزیر خارجہ بولے.

"یہ سزا کیا ہے سر .. یہ تو انعام ہے .. اسے اس کے وطن بھیجا جا رہا ہے." انسپکٹر جمشید نے تلملا کر کہا.

"جو بھی ہے ... بس آپ اسے چھوڑ دیں."

"مجھے افسوس ہے سر... میں اسے نہیں چھوڑ سکتا... اس نے میرے ملک کی جڑیں کھوکھلی کی ہیں۔"

"کیا کہا... آپ نے... آپ اور میرا حکم نہیں مانیں گے۔"

"نہیں سر... میں آپ کا یہ حکم نہیں مان سکتا... میں مجبور ہوں... ملک اور قوم کے خلاف جو حکم بھی مجھے دیا جائے گا... میں اسے نہیں مانوں گا۔"

"بہت خوب... مجھے یہی اُمید تھی... لیکن میں اس ملک کا وزیر خارجہ ہوں... یہ دیکھیے..."

یہ کہہ کر اس نے لائٹر جلایا اور ان کاغذات کو آگ دکھا دی... کاغذات تیزی سے جلنے لگے... وہ ساکت بیٹھے رہے... جب کاغذات پوری طرح جل گئے... تو وزیر خارجہ نے کہا:

"انسپکٹر جمشید... جب یہاں برٹش کی حکومت تھی... اس وقت انگریزوں کے خلاف مسلمان لڑ رہے تھے... ہم نے اس وقت انگریزوں کی مدد کی تھی... اس مدد کے سلسلے میں ہمیں بہت بڑی جاگیر ملی تھی... آج بھی ہم جو وزیر خارجہ ہیں نا... اسی جاگیر کے بل پر ہیں... پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے... کہ برٹش کا حکم ہو اور ہم اس کے ایک آدمی کو نہ چھوڑ سکیں... اب تمہارے پاس اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں... لہٰذا جاؤ اور جا کر وہی کرو جس کا حکم دیا

گیا ہے۔"

"او کے سر..." انسپکٹر جمشید نے تھکے تھکے انداز میں کہا، اور اٹھ کھڑے ہوئے..

"اور سنو... انسپکٹر... شومی ڈابر سے کہہ دینا... رہا ہونے کے فوراً بعد مجھے فون کرے۔"

"او کے سر۔" انھوں نے کہا۔

فرزانہ، پروفیسر داؤد اور خان رحمان حیرت زدہ تھے کہ انھیں ہو کیا گیا ہے... کاغذات کے جلا دیے جانے کے بعد ان میں اس قدر نرمی کیوں آ گئی تھی... آخر وہ باہر نکلے:

"یہ کیا ہوا ابا جان۔"

"کچھ بھی نہیں ہوا... جس کی اُمید تھی... بس وہی ہوا۔" وہ بھرپور انداز میں مسکرائے۔

"کیا مطلب؟"

"مجھے پہلے ہی اندازہ تھا... کہ یہ حضرت کیا حکم دیں گے اور کیا کریں گے... لہذا فکر نہ کرو۔"

"فکر نہ کریں... اور آپ شومی ڈابر کو جو چھوڑنا پڑ گیا ہے۔"

"ہاں! اسی لیے تو کہہ رہا ہوں کہ فکر نہ کریں۔"

"آپ کہتے ہیں تو نہیں کرتے... ورنہ مارے فکر کے ہم تو دبلے ہوئے جا رہے ہیں۔"

"اپنی مرضی سے ہو رہے ہو... میں نے نہیں کہا۔"

"آپ کا کہنا تو یہ ہے کہ فکر نہ کریں... لیکن سوال یہ ہے کہ کیسے نہ کریں۔"

"بس ایسے ہی نہ کریں... جس طرح میں نہیں کر رہا۔" وہ مسکرائے۔

"کبھی کبھی ابا جان آپ بہت پُراسرار دکھائی دینے لگتے ہیں۔"

"اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔" وہ مسکرائے۔

"یہ بھی ٹھیک ہے... اچھا اب ہم کچھ نہیں پوچھیں گے۔"

دفتر پہنچ کر وہ اس کمرے میں آئے، جس میں نشوبی ڈابر کو رکھا گیا تھا۔

"مسٹر ڈابر... میں ابھی ابھی وزیر خارجہ سے مل کر آ رہا ہوں... انھوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ کو رہا کر دوں... میں نے آپ کے کاغذات ان کے سامنے رکھے تو پتا ہے... انھوں نے کیا کیا۔"

"تو کیا انھوں نے کاغذات دیکھ کر مجھے رہا نہ کرنے کی ہدایت دی ہے۔"

"ایسی بات نہیں ڈابر صاحب ... انھوں نے ایک بہت شان دار حرکت کی ... اور وہ یہ کہ ... آپ کے کاغذات کو ہمارے سامنے آگ دکھا دی۔"

"کیا کہا ... آگ دکھا دی ... بہت خوب۔"

"ہاں ! اور کاغذات ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے راکھ بن گئے۔"

"بھئی واہ ! مزا آگیا ... اب آپ کیا کریں گے۔"

"اب میں یہی سوچ رہا ہوں کہ کیا کروں۔" انھوں نے پریشان ہو کر کہا۔

"کرنا کیا ہے ... جلدی سے یہ ہتھکڑی کھلوا دیں ... اسی میں آپ کی بہتری ہے۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے ... ذرا دیر تو صبر کریں ... ابھی وزیر خارجہ صاحب کا فون تو آنے دیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیوں ... اب ان کا فون کیوں آئے گا۔"

"جب میں آپ کو رہا نہیں کروں گا تو ان کا ایک بار پھر فون آئے گا یا نہیں۔"

"لیکن ان کا حکم ملنے کے بعد آپ مجھے رہا کیوں نہیں کریں گے۔" اس نے الجھ کر کہا۔

"اس لیے کہ آپ نے میرے ملک کو نقصان پہنچایا ہے،

وہ اور لوگ ہوتے ہوں گے جو ملک کو نقصان پہنچانے والوں کو بحفاظت ان کے ملک بھیج دیتے ہیں... جو لوگ ایسا کرتے ہیں، چاہے وہ کتنے ہی بڑے عہدے پر کیوں نہ ہوں... وہ بھی میرے نزدیک وطن سے غداری کرتے ہیں... مثال کے طور پر گزشتہ دنوں ہمارے ملک کے ایک شہر میں ہمارے ہمسایہ ملک بازنطان کے دو اڑھائی سو کے قریب تخریب کار داخل ہو گئے، سبھی اسلحے سے پوری طرح لیس... اور اسلحے کے ٹرک بھی ساتھ لائے تھے... انھوں نے اس شہر میں قیامت برپا کر دی... وہ قتل و غارت گری مچائی کہ اللہ کی پناہ... لوگوں کے گھر لوٹ لیے... لڑکیوں اور عورتوں کو بے آبرو کیا، جو پولیس والے ان کے راستے میں آئے، انھیں گولیوں سے بھون کر... ان کے سر کاٹ کر درختوں سے لاشیں لٹکا دیں...

تین دن تک مسلسل یہ قیامت بپا رہی... تب کہیں جا کر فوج حرکت میں آئی... فوج نے انھیں گرفتار کیا... لیکن ہوا کیا... ایک دو دن بعد ہی اخبار میں یہ خبر پڑھی گئی کہ ان دو سو کے قریب تخریب کاروں کو ہمارے ملک کی حکومت نے پڑوسی ملک کے حوالے کر دیا...

یہ خبر پڑھ کر وطن پرستوں اور اہلِ ایمان لوگوں کی کیا

حالت ہوئی ... بیان نہیں کی جا سکتی ... سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہوا ... ایسا ان جاگیرداروں کے بل بوتے پر ہی ہوا ... پڑوسی ملک نے ان سے کہا ... انھوں نے حکومت پر زور ڈالا ... اور حکومت نے ان کا دباؤ قبول کر کے انھیں رہا کر دیا ... جو نہ جانے کتنے لوگوں کے قاتل، ڈاکو اور لٹیرے تھے ... اسی طرح یہ معاملہ ہے ... ایک شخص کے خلاف مکمل ثبوت ہم نے وزیر خارجہ کے سامنے رکھ دیا ... اور اس پر بھی وہ کہہ رہے ہیں کہ اسے چھوڑ دیا جائے ... صرف اس لیے کہ وہ برٹائن کا ہے اور برٹائن سے ان لوگوں نے جاگیریں حاصل کر رکھی ہیں ... اب ان جاگیروں کا حق نمک ادا کر رہے ہیں ... یہ نہیں سوچتے ... یہ جاگیریں انگریزوں نے اپنے پاس سے تو نہیں دی تھیں ... آخر یہ اس ملک کی سرزمین تھی ... وہی انھوں نے دے دی ... کمال کیا کیا ... غداری کا انعام ہی تو دیا تھا ..."

انسپکٹر جمشید جوش کے عالم میں کہتے جا رہے تھے کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی ... وہ چونک اٹھے ... ریسیور اٹھایا تو وزیر خارجہ تھے :

"ابھی تک میں نے شومی ڈابر کا فون نہیں وصول کیا۔

"میں اسے نہیں چھوڑ رہا ... سر ..."

"کیا مطلب... تمھارے پاس اس کے خلاف ثبوت کیا ہے۔"
وزیر خارجہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔
"ثبوت میں عدالت میں پیش کروں گا سر۔" انھوں نے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے... تمھارا دماغ چل گیا ہے۔"
"اپنے ملک اور قوم کے لیے اگر میرا دماغ چل جائے تو یہ بھی میری خوش قسمتی ہو گی۔"
"میں صدر صاحب سے بات کرتا ہوں۔" انھوں نے جھنا کر کہا۔
"ضرور کریں سر... میں انھیں بھی یہی جواب دوں گا۔"
"تب تم ملازمت سے نکلنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"
"اس صورت میں بھی میں اس جاسوس کو نہیں چھوڑوں گا۔"
"اس صورت میں تم اسے گرفتار کس طرح رکھ سکو گے۔"
"یہ تجربہ بھی کر لیں... ایک تجربہ آپ پہلے بھی کر چکے ہیں۔" وہ مسکرائے۔
"کون سا تجربہ؟"
"کاغذات جلانے والا تجربہ۔"
"میں تم سے سمجھ لوں گا..." وزیر خارجہ تلملا اٹھے... ساتھ ہی ریسیور پٹخنے کی آواز سنائی دی۔

"اسے کمرۂ امتحان میں لے چلو... یوں بات نہیں بنے گی۔" انسپکٹر جمشید سرد آواز میں بولے۔

"او کے سر۔" اکرام نے کہا۔

جلد ہی وہ سب کمرۂ امتحان میں موجود تھے... شومی ڈابر کا رنگ سفید پڑ گیا... اب تک تو وہ وزیر خارجہ کی وجہ سے بہت دلیر نظر آتا رہا تھا... لیکن فون پر ہونے والی گفتگو سن کر اس کے اوسان جواب دے گئے...

"یہ... یہ آپ کیا کرنے لگے ہیں۔"

"یہاں لوگوں کی زبان کھلوائی جاتی ہے۔"

"اوہ! آپ مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟"

"سوبراک کہاں ہے؟"

"افسوس! میں نہیں جانتا... اس ہوٹل کے بارے میں میری معلومات سوبراک کے مقابلے میں صفر ہیں۔" اس نے کانپتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"میں اس ہوٹل کا فرضی مالک ہوں۔"

"فرضی مالک کس طرح... وضاحت کرو... ہمارے پاس وقت بہت کم ہے... میری معطلی کا حکم نامہ آنے ہی

والا ہے... اور شاید کوئی بڑا افسر بھی آ جائے۔"

"اوہ! تب پھر میں کیوں بتاؤں۔" وہ شیر ہو گیا۔

"بتانا اس لیے پڑے گا... کہ ان کے آنے میں ابھی وقت ہے... اور اتنے وقت میں تو میں بنوا دوں گا تمھاری چٹنی... ارے مگر... ابھی تو تم کہہ رہے تھے کہ فرضی مالک ہو اور اس ہوٹل کے بارے میں سوبراک تم سے زیادہ جانتا ہے... پھر اب کیا کہہ گئے ہو... پھر میں کیوں بتاؤں؟"

"ہم... میرا... میرا مطلب ہے... جس قدر میں جانتا ہوں، اتنا بھی کیوں بتاؤں۔"

"تم چکر باز ہو... اسے مشین میں کس دو۔" انھوں نے کہا۔

"نن... نہیں... ٹھہرو۔"

"ٹھہرنا نہیں ہے اکرام... مشین میں کس دو... بتائے گا تو ہم بٹن نہیں دبائیں گے... ورنہ دبا دیں گے۔"

اکرام نے ماتحتوں کو اشارہ کیا... اب اس کی بوٹی بوٹی پھڑکنے لگی... آخر مردہ آواز میں اس نے کہا:

"سوبراک ہوٹل میں ہی ہے... لیکن کہاں ہے... میں نہیں جانتا۔"

"نہیں! تم یہ بھی جانتے ہو۔" انسپکٹر جمشید سخت لہجے میں بولے۔

"نہیں، بالکل نہیں جانتا... یقین کریں... اگر جانتا تو جب اتنی بات بتا دی ہے تو یہ بتانے میں کیا حرج تھا۔" اس نے کہا۔

"حرج یہ کہ تم جانتے ہو... میں اس جگہ تک نہیں پہنچ سکوں گا۔"

"اب میں آپ کو کیسے یقین دلاؤں۔"

"اکرام... بٹن دبا ہی دو۔"

اکرام نے بٹن دبا دیا... اس کی لرزہ خیز چیخوں نے کمرے کو ہلا کر رکھ دیا... اور پھر وہ بے ہوش ہو گیا...

"اوہ! اسے تو واقعی معلوم نہیں کہ سوبراک ہوٹل میں کس جگہ ہے... ارے ہاں... محمود اور فاروق وہاں گئے تھے... اکرام... ہوٹل کا فون نمبر گھماؤ... وہ اب تک لوٹ کر کیوں نہیں آئے۔"

اکرام نے نمبر گھمایا... گھنٹی بجتی رہی... لیکن ریسیور کسی نے نہ اٹھایا... ان کی پیشانی پر بل پڑ گئے...

"تم فوراً ہوٹل پہنچو... اور دیکھو... ان لوگوں کے ساتھ کیا گزری ہے... اگر کوئی خاص بات ہو تو فون

کر دینا... میں آ جاؤں گا۔" انھوں نے جلدی جلدی کہا
"او کے سر۔" اکرام نے کہا اور چلا گیا۔
اسی وقت بھاری قدموں کی آواز سنائی دی... وزیر خارجہ، صدر صاحب کے ساتھ کمرۂ امتحان میں داخل ہوئے،
"سر آپ... آپ نے یہاں تشریف لانے کی زحمت کیوں کی... مجھے بلا لیا ہوتا۔"
"نہیں جمشید... خان صاحب نے تم پر ایک بہت سنگین الزام لگایا ہے... اس سنگین الزام کی تصدیق یہیں آ کر ہو سکتی تھی۔"
"اور وہ سنگین الزام کیا ہے سر۔"
"یہ کہ تم نے ہوٹل شاہی کے مالک شومی ڈابر کو حبس بے جا میں رکھا ہوا ہے اور اس پر ظلم و تشدد کر رہے ہو... اب اگر شکنجے میں کسا ہوا۔ یہ آدمی شومی ڈابر ہے تو پھر خان صاحب سچے ہیں اور تمھیں اس الزام کے لیے جواب دہ ہونا پڑے گا۔"
"ہاں جناب عالی! یہ شومی ڈابر ہی ہے۔" وزیر خارجہ جلدی سے بولے۔
"اوہو اچھا... جمشید! یہ کیا؟"
"میں بتاتا ہوں سر۔" اس کے بعد انھوں نے جلدی

جلدی تمام کہانی سنا دی۔

"یہ فرضی کہانی ہے سر... شوگی ڈابر برٹائن کا جاسوس نہیں ہے اور نہ اس نے ملک اور قوم کو کوئی نقصان پہنچایا ہے... انسپکٹر جمشید اس بات کو ثابت نہیں کر سکتے۔" وزیر خارجہ بولے۔

"کیا اس لیے سر... کہ آپ نے وہ ثبوت جلا دیا ہے؟" انسپکٹر جمشید پُرسکون آواز میں بولے۔

"میں نے کوئی ثبوت نہیں جلایا... انسپکٹر جمشید اوچھی حرکتوں پر اُتر آئے ہیں۔" انھوں نے جل کر کہا۔

"جمشید... مجھے تم سے یہ اُمید نہیں تھی۔"

"سر! مجھے بھی تو کچھ کہنے کا موقع دیا جائے۔"

"ضرور کیوں نہیں... تم اپنی صفائی میں جو کہو، میں سننے کے لیے تیار ہوں۔"

اب وہ کرسیوں پر بیٹھ چکے تھے... جب کہ انسپکٹر جمشید وغیرہ مجرموں کی طرح کھڑے تھے...

"سر! اصل بات یہ ہے کہ میں ایسے آدمی کو برداشت نہیں کر سکتا... جو میرے ملک کو نقصان پہنچائے... جو اس کی جڑیں کاٹے... کیا آپ برداشت کر سکتے ہیں؟"

"نہیں... ہرگز نہیں۔"

"لیکن شومی ڈابر ایسا آدمی نہیں ہے۔"

"سر! ابھی تھوڑی دیر پہلے آپ یہاں نہیں تھے... آپ ایسا کریں کہ ساتھ والے کمرے میں چلے جائیں... میں اسے ہوش میں لاکر چند سوالات کروں گا... آپ اندازہ لگا لیں گے۔"

"ضرور... کیوں نہیں...؟" صدر صاحب بولے۔

"لیکن سر... شکنجے میں کسا ہوا ایک آدمی... وہی کہے گا، جو یہ اس سے کہلوائیں گے۔"

"اس وقت شکنجے کا بٹن دبا ہوا نہیں ہے... اور نہ دبایا جائے گا۔"

وہ دونوں دوسرے کمرے میں چلے گئے... دروازہ ذرا سا کھلا رہا... اب انسپکٹر جمشید نے شومی ڈابر کو ہوش میں لانے کے لیے تدبیر کی... جلد ہی اس نے آنکھیں کھول دیں:

"شومی ڈابر... مجھے یقین آ گیا ہے کہ تم ہوٹل میں وہ جگہ نہیں جانتے... جہاں سوہراک موجود ہے... لیکن تم نے یہ بات تو تسلیم کر ہی لی ہے کہ سوہراک ہوٹل میں ہی کہیں موجود ہے۔"

"ہاں! میں کہہ چکا ہوں... میں اس ہوٹل کا فرضی مالک

ہوں... ہوٹل برٹائن کی حکومت نے تیار کرایا ہے... لیکن ساتھ مجھے رکھا ہے... سوبراک میرا افسر ہے... وہ اس ہوٹل کے خفیہ راستوں کا مجھ سے زیادہ واقف ہے... کیوں کہ ہوٹل میری موجودگی میں نہیں بنوایا گیا... اس کی موجودگی میں بنوایا گیا تھا۔"

"خیر... میں یہ باتیں بالکل درست مان لیتا ہوں... تم یہ بات تو مان چکے ہو نا کہ ہمارے ملک کی جاسوسی کرتے رہے ہو۔"

"ہاں! میں اس سے انکار نہیں کرتا۔"

"اب صرف یہ بتا دو کہ آج کل سوبراک کس منصوبے پر کام کر رہا ہے... آفاق جونی کو اس نے اغوا کیا تھا، کیا تھا نا..."

"ہاں! بالکل کیا تھا۔"

"اور اغوا کر کے اسے ہوٹل کے خفیہ حصے میں رکھا گیا تھا۔"

"جی ہاں! یہ بھی درست ہے۔"

"وہاں سے آفاق کو برٹائن بھیجا گیا... جہاں سے وہ سالک بن کر آیا۔"

"یہ سب باتیں درست ہیں... لیکن میں نہیں جانتا...

سوبراک یہ سب کیوں کہہ رہا ہے؟

"اچھا شکریہ... تم اب تک ہمارے ملک کے کون کون سے راز برٹائن کو بھیج چکے ہو؟"

"زبانی یہ تفصیل کس طرح بتا سکتا ہوں۔"

"شاید تم اس انتظار میں ہو کہ وزیر خارجہ آئیں گے، اور تمھیں بچا لیں گے۔"

"ہاں! وہ آئیں گے... اور ضرور آئیں گے... آپ مجھے قید میں نہیں رکھ سکیں گے۔" اس نے کہا۔

"ان کا تم سے کیا تعلق ہے۔"

"بہت گہرا... وہ برٹائن کے اشاروں پر چلتے ہیں... برٹائن نے انھیں بتا رکھا ہے... کہ یہاں ان کا کون کون سا آدمی کام کر رہا ہے... اور یہ کہ ان کا خیال انھیں رکھنا ہے... انھیں ہر مشکل سے بچانا ہے۔"

"اوہ!" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

چند لمحے تک موت کا سناٹا طاری رہا... پھر انسپکٹر جمشید نے کہا:

"اس کا مطلب تو پھر یہ ہوا کہ وزیر خارجہ اپنے ملک کے نہیں... برٹائن کے وفادار ہیں۔"

"ایسے تو اس ملک میں اور نہ جانے کتنے لوگ ہیں۔"

"اُف مالک ..." انسپکٹر جمشید بولے۔
"اگر یہ تفصیل آپ کے سامنے آجائے ... تو آپ کے تو پیروں تلے سے زمین نکل جائے۔"
"آپ نے ساری تفصیل سُن لی ... اب ادھر آ جائیں؟" انسپکٹر جمشید نے کمرے کی طرف منہ کر کے کہا ... لیکن صدر صاحب اور وزیرِ خارجہ اس طرف نہ آئے ... انھوں نے حیران ہو کر دروازے کی طرف دیکھا اور پھر وہ آگے بڑھے، انھوں نے دروازہ ذرا سا کھولا تو کمرے میں ایک اور ہی عجیب منظر نظر آیا ...

کمرۂ امتحان میں

"مسٹر سوبراک! آپ، اور یہاں۔"

"ہاں! میں یہیں ہوں... کہیں جانے کی مجھے ضرورت بھی تو نہیں تھی... تم لوگ مجھے ہوٹل میں تلاش نہیں کر سکتے تھے، لہٰذا میں یہیں رہا۔"

"اوہ! کاش ہم پہلے ہی یہ اندازہ لگا لیتے۔" فاروق نے حسرت زدہ انداز میں کہا۔

"تم لوگ اب اس معاملے میں حد سے زیادہ آگے آ گئے ہو... اس لیے مجھے سامنے آنا ہی پڑا... ورنہ میں ابھی اور تم لوگوں کی کوششوں پر ہنسنا چاہتا تھا۔"

"آخر یہ منصوبہ کیا ہے..." محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"تم اس منصوبے کی تہ تک نہیں پہنچ سکتے... اور پہنچ بھی گئے تو بھی کچھ نہیں کر سکو گے... تمھارے والد وغیرہ بھی اب یہاں آ جائیں گے۔"

"یہیں آجائیں گے... وہ کیسے ؟"

"بس... دیکھتے جاؤ... ایک بڑے آدمی کی ڈیوٹی اس کام پر لگا دی گئی ہے۔"

"اور وہ بڑا آدمی کون ہے ؟"

"ابھی جب وہ آئے گا تو تم دیکھ ہی لو گے۔"

"اچھی بات ہے... آپ کہتے ہیں تو دیکھ لیں گے، ویسے ہمیں بڑے آدمیوں کو دیکھنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"سالک جامی کی جگہ آفاق جونی کو اس کے گھر بھیجا گیا... اس کے بعد سالک جامی گھر گیا تو اس کے گھر والے اسے روح سمجھے... لیکن اب تو معاملہ صاف ہو چکا ہے... وہ اپنے گھر چلے گئے ہیں... لہٰذا آپ کا منصوبہ تھا کیا ؟"

"میں کہہ چکا ہوں... یہ بات تمہاری چھوٹی عقلوں میں نہیں آئے گی۔"

"اچھا... آپ کون ہیں... یہ بتا دیں ؟"

"میں وہی ہوں... جس نے اکبر لاشا کے گھر تم سے ملاقات کی تھی۔"

"وہ تو ہم جانتے ہیں... لیکن کیا یہ چہرہ آپ کا اصلی چہرہ ہے۔"

"ہاں! بالکل... میرا چہرہ بھی اصلی ہے... اور میرا نام بھی... دونوں چیزیں چھپانے کی مجھے کوئی ضرورت نہیں... میں اعلانیہ کام کرنے کا عادی ہوں۔"

"اور اب آپ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے والد بھی یہاں آ جائیں گے۔"

"ہاں! تم لوگوں کو اس ہوٹل کے قیدی بن کر رہنا ہو گا... جب تک کہ میرا منصوبہ مکمل نہیں ہو جائے گا۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔" محمود بولا۔

"لیکن ہم اس سے پہلے اپنا کام کیوں نہ شروع کر دیں۔" فاروق نے کہا۔

"میں بھی اسی فیصلے پر پہنچا ہوں۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"کام... فیصلہ... کیا مطلب؟" غفور میاں بولے۔

"جی بس... دیکھتے جائیے..." محمود نے کہا اور اچھل کر سوبراک سے جا ٹکرایا... سوبراک دھڑام سے گرا... ساتھ ہی فاروق نے اس پر چھلانگ لگا دی اور پھر دونوں اسے چھاپ بیٹھے...

"ارے ارے بھئی... یہ تم کیا کر رہے ہو۔"

"اس سے پہلے کہ ہمارے والد وغیرہ یہاں آئیں،

ہم تم پر فتح پا لینا چاہتے ہیں۔"
"اوہ... تو یہ بات ہے۔" سوبراک نے ہنس کر کہا۔
"لیکن آپ ہنسے کیوں؟"
"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم مجھ پر حملہ کرنے کی ہمت بھی کر سکتے ہو... اسی لیے بے دھیان کھڑا تھا... ورنہ اس طرح نہ گرتا... تو اب دیکھو میرا کمال۔"
یہ کہہ کر اس نے ان دونوں کو اس طرح اپنے اوپر سے اچھال دیا جیسے وہ ہلکے پھلکے کھلونے ہوں... دونوں دور جا کر گرے...
"اب کیا خیال ہے؟"
"مقابلہ تو ہم کریں گے..." محمود نے فوراً اٹھتے ہوئے کہا... فاروق بھی اٹھ گیا۔
"اوہو... یہ دم خم۔" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔
"مت لڑو محمود... چوٹ کھا بیٹھو گے۔" غفور میاں نے گھبرا کر کہا۔
"انکل... آپ کبھی ہمارے ساتھ مہمات کے دوران نہیں رہے... اس لیے ایسا کہہ رہے ہیں... بس آپ دیکھتے جائیے۔"
"ہاں مسٹر انجینئر آپ بس دیکھتے جائیے... کہ ان کی مرمت کس طرح ہوتی ہے۔" سوبراک مسکرایا۔

ایک بار پھر وہ آمنے سامنے آ گئے... سوبراک مذاق اڑانے والے انداز میں ان کی طرف دیکھ رہا تھا...

"ترکیب نمبر ۱۳۔" محمود نے کہا۔

"ترکیب نمبر ۱۳ کیا... ایک سے تیرہ آزما لو... تب بھی کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔" سوبراک بولا۔

"مسٹر سوبراک تم حد سے زیادہ خوش فہمی میں مبتلا ہو۔"

"اچھا ہوں... تم آؤ۔" اس نے جھلا کر کہا۔

فاروق اس کی کمر کی طرف آ گیا... محمود سامنے کھڑا رہ گیا... غفور میاں حیرت زدہ انداز میں یہ سب دیکھ رہے تھے... اور کافی گھبرائے ہوئے تھے...

"یہ کیا بھئی... کیا تم پیچھے سے وار کرو گے۔" سوبراک ہنسا۔

"ہم کیا کریں گے اور کیا نہیں کریں گے... یہ کیوں بتائیں۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"ٹھیک ہے... آؤ... حملہ کرو... آخر میں کب تک انتظار کروں۔"

"جب تمہیں برداشت کا مادہ ہے... اگر نہیں ہے تو پھر خود حملہ کر ڈالو۔"

"مجھے ایسا کرنے کی ضرورت نہیں... ضرورت تمہیں ہے..."

سوبراک بولا۔

"بات ٹھیک ہے... لہذا شروع کرتا ہوں... اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے" یہ الفاظ کہتے ہی محمود نے اس پر ایک چھلانگ لگائی... وہ فوراً ترچھا ہو گیا... محمود اپنی جھونک میں آگے نکل گیا... لیکن یہی وقت تھا... فاروق کے حرکت میں آنے کا... اس نے سر کی ٹکر اس کی کمر پر دے ماری... لیکن اس کا وار بھی خالی گیا، اس لیے کہ سوبراک نے ان سے زیادہ چالاکی سے کام لیا تھا... ادھر اس نے محمود کا وار خالی دیا... ادھر فوراً فاروق کی طرف گھوم گیا... لہذا فاروق کا اگر یہ خیال تھا کہ وہ اس کی کمر پر ٹکر دے مارے گا تو اس کا یہ خیال ثابت ہوا... سوبراک نے اپنا منہ چول کر فوراً اس کی طرف کر دیا تھا... اس لیے وہ اس کے وار سے بھی صاف بچ گیا... اس کے چہرے پر مسکراہٹ اور پھیل گئی:

"آؤ بھئی... جلدی کرو۔"

"ضرور آئیں گے... اب ہم ترکیب نمبر چودہ کام میں لائیں گے۔" محمود نے کہا۔

"دیکھتے ہیں تمھاری ترکیب نمبر چودہ کو بھی۔" سوبراک بولا۔

محمود کمرے کی دیوار سے جا لگا... دوسری طرف فاروق دوسری دیوار سے جا لگا:

"ایک ... دو ... تین ..." محمود نے تیزی سے کہا۔

تین پر دونوں بلا کی رفتار سے مخالف سمت سے سوبراک کی طرف دوڑے... اس طرح کہ اسے ذرا بھی مہلت نہ مل سکے... لیکن ہوا کیا... سوبراک نے بھی بجلی کی سی سرعت سے ان کی ترکیب بھانپ لی... وہ فوراً اونچا اچھل گیا... محمود اور فاروق دونوں ایک دوسرے سے پورے زور میں ٹکرائے... اور دھڑام سے گرے... ساتھ ہی سوبراک فرش پر آیا... اور ان پر لاتیں اور مکے برسانے لگا۔

"نہ مارو... انھیں نہ مارو۔" غفور میاں چلائے۔

"خاموش رہو بڑے میاں... مجھ سے لڑنے کا دعویٰ انھوں نے کیا ہے... میں نے نہیں۔" سوبراک پہلی مرتبہ غرا کر بولا... ورنہ اب تک وہ بہت نرم گرم انداز میں بات کرتا رہا تھا۔

اچانک اس کی ناک پر محمود کا بھرپور مکا لگا... وہ فوراً دوسری طرف الٹ گیا... اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

"ارے یہ کیا ہوا۔" غفور میاں حیران رہ گئے۔

"محمود کا سرکاری مکا چل گیا تھا انکل... اور اب میری سرکاری لات چلے گی۔" یہ کہہ کر فاروق نے ایک ٹھوکر اس کی پسلیوں میں دے ماری... سوبراک بھینسے کی طرح ڈکرایا، اور اچھل کر کھڑا ہو گیا... اس کا چہرہ خون آلود ہونے کی

بنا پر اب حد درجے خوف ناک لگنے لگا۔

"ارے باپ رے... یہ تو پھر اٹھ گیا۔"

"کوئی بات نہیں... اب ہم ترکیب نمبر پندرہ کام میں لائیں گے۔"

"ایسی کتنی ترکیبیں تم نے سیکھ رکھی ہیں بھئی۔" غفور میاں کے لہجے میں حیرت تھی۔

"روز کا کام ہے نا انکل۔" محمود مسکرایا۔

ایک بار پھر وہ آمنے سامنے تھے... ایسے میں سوبراک نے کہا:

"زندگی میں پہلی بار میرا چہرہ خون آلود ہوا ہے... کوئی مجھ پر قابو نہیں پا سکا... میں نے بڑے بڑوں کو چت کر کے رکھ دیا... لیکن آج... آج نہ جانے کیا ہو گیا۔" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اس سے پہلے آپ بڑے بڑے اناڑیوں سے مقابلہ کرتے رہے ہوں گے... ہیں ہم بھی اناڑی... لیکن چھوٹے اناڑی۔" فاروق نے شوخ آواز میں کہا۔

"ہوں!" سوبراک غرایا اور اس مرتبہ اس نے ان پر چھلانگ لگائی...

اس کی یہ چھلانگ حیرت انگیز تھی... دونوں کا خیال یہ

تھا کہ وہ سیدھا ان پر آ رہا ہے... اس لیے وہ دائیں طرف
ہو گئے... لیکن اس کے باوجود وہ بالکل ان پر آ کر گرا...
اور دونوں کو چھاپ بیٹھا...

"بھئی واہ! مان گئے آپ کو۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"ہائیں... مار کھا کر بھی خوش ہو رہے ہو۔" غفور میاں
کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں انکل! دوسروں کی بہادری کی تعریف کرنی چاہیے۔"

اچانک، سوبراک بری طرح تڑپا اور دور جا کر گرا... اس
بار فاروق نے اس کی ہنسلی کی ہڈی کے پاس گرتے ہیں، اپنا
ہاتھ سیدھا کر کے دے مارا تھا... اور یہ اس وقت ہوا
جب وہ دونوں ہاتھوں سے ان کی بڑی طرح مرمت کر
رہا تھا... مرمت کے جوش میں اس نے فاروق کے ہاتھ
کو حرکت میں آتے تو دیکھا... لیکن اس کو خاطر میں اس
لیے نہ لایا کہ اس کے خیال میں اس ہاتھ کا مکا اس کا
کیا بگاڑ سکتا تھا...

"کیسی رہی انکل۔" فاروق نے غفور میاں کی طرف دیکھا۔

"بہت شاندار..." وہ بولے۔

"اور آپ کیا کہتے ہیں مسٹر سوبراک۔" محمود بولا۔

"بہت زبردست... تم بھی کم نہیں ہو بھئی... یہ بات

اٹھنا پڑے گی... "سوبراک نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اور یہ بھی دیکھ لیں... مسٹر سوبراک کہ ہم نے خود تمہیں اٹھنے کا موقع دیا ہے... اگر ہم چاہتے تو تمہیں اٹھنے نہ دیتے۔"

"یہ بات میں تسلیم نہیں کرتا بھئی۔" سوبراک بولا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"مطلب یہ کہ اگر تم مجھے اٹھنے کی مہلت نہ دیتے تو تب بھی میں اٹھ سکتا تھا اور نہایت آسانی سے اٹھ سکتا تھا۔"

"خیر... یہ تجربہ بھی کریں گے۔"

سوبراک ایک ایک قدم ان کی طرف بڑھنے لگا... پھر اچانک رک کر اس نے ان پر چھلانگ لگائی... اور دونوں کو فرش پر ڈھیر کرتا ہوا آگے لڑھک گیا... اس سے پہلے کہ وہ اٹھتے... وہ بلا کی رفتار سے مڑا اور ایک ٹھوکر فاروق کے سر پر دے ماری... فاروق نے بلا کی پھرتی سے سر کو بچایا اور ٹھوکر اپنی کمر پر وصول کر لی... تاہم کمر پر بھی ٹھوکر بہت شدید محسوس ہوئی... اس نے جھلا کر سوبراک کا دوسرا پیر پکڑ لیا... ایسے میں محمود حرکت میں آیا اور اس نے دوسرا پیر پکڑ لیا... سوبراک اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا... اور فرش پر آ رہا... دونوں فوراً اس پر چھا

گئے... ایسے میں سوبراک کے دونوں بازو ان کی گردنوں کے گرد کس گئے اور بازوؤں کی گرفت سخت ہوتی چلی گئی... انھیں اپنے سانس سینوں میں اٹکتے محسوس ہوئے... وہ واقعی بہت طاقت ور تھا... اور اب تک جو وہ اس کا مقابلہ کرتے رہے تھے تو اپنی پھرتی کی بنا پر کرتے رہے تھے... ورنہ کبھی کے ڈھیر ہو گئے ہوتے...

اب بھی انھوں نے ہمت نہ ہاری... محمود نے اپنی ٹانگیں اس کے سر کی طرف لانے کی کوشش کی... فاروق نے اپنا گھٹنا اس کی پسلیوں میں اڑا دیا... فاروق نے زور لگایا تو اسے تھوڑا سا اوپر اٹھنا پڑا... جونہی وہ اوپر اٹھا... اس کا سر محمود کے دونوں پیروں کی گرفت میں آ گیا... محمود نے اسے اوپر کی طرف زور لگایا... فاروق نے نیچے سے گھٹنے سے اور زور لگایا... نتیجہ یہ کہ سوبراک کو اس مصیبت سے نکلنے کے لیے ان کی گردنیں چھوڑنا پڑیں... جونہی گردنیں چھوٹیں... وہ اس کے نیچے سے نکل گئے...

"بہت خوب... بہت خوب..."

"ہاں! میں بھی کہتا ہوں... بہت خوب۔"

عین اسی وقت بھاری قدموں کی آواز گونجنے لگی...

وہ چونک کر آواز کی طرف مڑے...

وزیر خارجہ کے ہاتھ میں ایک سیاہ رنگ کا بڑا سا پستول تھا... پستول کی نال صدر صاحب کی کن پٹی پر تھی اور ان کے چہرے پر ایک طنزیہ مسکراہٹ تھی... جونہی انسپکٹر جمشید اندر داخل ہوئے... اس نے کہا:

"اگر صدر صاحب کی زندگی چاہتے ہو تو جو میں کہتا ہوں وہ کرو۔" وزیر خارجہ نے دبی آواز میں کہا۔

"مجھے کیا کرنا ہے..." انھوں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"یہیں سے اپنے ماتحت کو حکم دو کہ شوکی ڈابر کو کھول دو۔"

"اکرام شوکی ڈابر کو شکنجے سے نکال دو۔"

"او کے سر۔" اس نے کہا اور شوکی ڈابر کو شکنجے سے نکال دیا۔

"اب ان لوگوں سے کہو... سب اندر آجائیں۔"

"اکرام... تم سب اندر آجاؤ... ڈابر کو بھی لے آؤ۔"

وہ سب اندر آ گئے... ڈابر اندر کا منظر دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا... خوشی سے پھول گیا...

"خان صاحب... آپ... آپ یہ کر کیا رہے ہیں؟"

"اپنے منصوبے پر عمل" خان صاحب نے کہا۔

"منصوبے پر عمل... کیا مطلب؟"

"مطلب یہاں نہیں... ہوٹل شاہی میں چل کر بتایا جائے گا... ہمیں یہاں سے اس خوبی سے روانہ ہونا ہے کہ کسی کو کانوں کان پتا نہ چلے کہ کیا ہو رہا ہے... یہاں جتنے لوگ ہیں... وہ سب جائیں گے... انسپکٹر جمشید... اگر اپنے صدر کی زندگی عزیز ہے... تو وہی کرو... جو میں کہہ رہا ہوں۔"

"اچھی بات ہے... یونہی سہی۔" انھوں نے کندھے اچکائے۔

"میرا ایک آدمی سب انسپکٹر اکرام کے ساتھ کار پارکنگ جائے گا... اکرام صدر صاحب کے ڈرائیور سے کہے گا کہ وہ گاڑی لے کر کمرۂ امتحان تک آ جائے... کیوں کہ صدر صاحب کی طبیعت خراب ہو گئی ہے... میری گاڑی پہلے ہی پروگرام کے مطابق یہاں آ چکی ہو گی... ہمارے لیے دو کاریں ہی کافی ہو جائیں گی... کاریں بھی بڑی ہیں... کیا خیال ہے... پروگرام مکمل ہے نا۔"

"ہاں، فی الحال تو مکمل ہی نظر آ رہا ہے۔" انسپکٹر جمشید سرد آواز میں بولے۔

"آئندہ بھی مکمل ہی نظر آئے گا... اب اپنے ماتحت سے یہ بھی کہہ دیں کہ نہ کسی سے کوئی بات کرنے کی کوشش کرے... نہ اشارہ کرے... ورنہ صدر صاحب کے کام سے..." وزیر خارجہ بولے۔

"بہت بہتر۔"

"جمشید! تم میری پروا نہ کرو... ان سے نمٹا جائے۔" صدر صاحب پرجوش انداز میں بولے۔

"سر! میں، میں دیکھنا چاہتا ہوں... تیل کی دھار دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"لیکن سر.... یہاں تیل کہاں سے آ گیا۔" اکرام ذرا بولا۔

"آج کل تو تیل ہر جگہ سے نکل سکتا ہے... اور پھر انسانوں کا تیل نکلتے کیا دیر لگتی ہے... ابھی تم نے دیکھا نہیں تھا، شومی ڈاہر کا تیل شکنجے میں نکل رہا تھا یا نہیں۔"

"اوہ ہاں! واقعی... یہ تو ہے... اکرام نے مسکرا کر کہا۔

"آپ نے اکرام کو ہدایت نہیں دی۔"

"جو انھوں نے کہا ہے... وہی کرو بھئی۔" وہ بولے۔

اکرام باہر نکل گیا... تین منٹ بعد اس نے آ

کہہ بتایا :

"دونوں گاڑیاں دروازے پر موجود ہیں۔"

"شوکی... تم باہر کا جائزہ لے لو... کسی گڑبڑ کے آثار تو نہیں ہیں۔"

"او کے سر!" اس نے کہا اور باہر نکل گیا...

جان ردوف کے ہاتھ میں بھی اب پستول نظر آ رہا تھا اور اسے یہ وزیر خارجہ نے دیا تھا... شوکی فوراً اندر داخل ہوا اور بولا :

"میدان صاف ہے سر... آس پاس کوئی نہیں ہے۔"

"چلیے بھئی... گاڑی میں بیٹھیں... میں صدر صاحب کے ساتھ بیٹھوں گا... اگلی سیٹ پر انسپکٹر جمشید، صدر اور میرے علاوہ پچھلی سیٹ پر پروفیسر داؤد بیٹھیں گے... باقی آدمی دوسری گاڑی میں شوکی ڈرائیور کی نگرانی میں آئیں گے۔"

اس کی ہدایت کے مطابق لوگ گاڑیوں میں بیٹھ گئے.... گاڑیاں روانہ ہوئیں... اور پھر ہوٹل شاہی تک پہنچ گئیں... صدر دروازہ کھلا ہوا تھا اور اندر کوئی نظر نہیں آ رہا تھا... وہ گاڑیاں اندر تک لیتے چلے گئے... پھر صدر دروازہ بند کر دیا گیا، اس کے بعد گاڑیوں سے اترے :

"پروگرام ابھی تک ہماری مرضی کے عین مطابق جاری ہے۔"

گویا کامیابی ہمارے قدم چومنے کے لیے بُری طرح بے چین ہے۔"

"آخر تم کرنا کیا چاہتے ہو۔" پروفیسر داؤد نے جھلا کر کہا۔

"اب یہ بات سامنے آنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔"

وزیر خارجہ انھیں اسی طرح ساتھ لے کر آگے بڑھے اور پھر نہ خانے میں پہنچ کر شوحی ڈابرہ نے ایک بٹن دبایا... فوراً ہی ایک دروازہ دیوار میں نمودار ہوا... اور ان کے سامنے ایک طویل برآمدہ آ گیا... وہ اس میں چلنے لگے... یہاں تک کہ ایک کمرے کے دروازے تک پہنچ گئے... کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا... جونہی وہ اندر داخل ہوئے... زور سے چونکے اندر محمود اور فاروق موجود تھے... ان کے ساتھ غفور میاں بھی تھے... اور ان تینوں کے علاوہ وہ پُراسرار آدمی بھی موجود تھا... جسے وہ اکبر لاشا کی دعوت میں دیکھ چکے تھے:

"خوش آمدید... آخر آپ لوگ یہاں پہنچ ہی گئے..." سوبراک چہکا۔

"اور دیکھ لیں مسٹر سوبراک! بالکل وقت پر پہنچے ہیں..." وزیر خارجہ بولے۔

"ہاں! واقعی... میں سوچ ہی رہا تھا کہ اب تک آپ لوگوں کو آ جانا چاہیے تھا... کہ آپ کے قدموں کی آواز

سنائی دے گئی۔"

"اب ہمیں اپنے پروگرام پر عمل کرنا چاہیے۔"

"بالکل... لیکن سب سے پہلے ہمیں ان مہمانوں کو باندھنا ہو گا... جب تک یہ بندھے ہوئے نہیں ہوں گے، ہم اطمینان اور سکون سے کام نہیں کر سکیں گے۔"

"بالکل ٹھیک ہے... پستول کی نال اس وقت صدر صاحب کی کن پٹی پر ہے... اور میں ان سے کافی فاصلے پر ہوں... لہذا اگر یہ لوگ خود کو خاموشی سے نہیں بندھوائیں گے تو ہم بھی صدر صاحب کی کن پٹی میں خاموشی سے گولی اتار دیں گے۔"

انسپکٹر جمشید نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا... اس صورت حال میں وہ کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں تھے... معاملہ صدر صاحب کی زندگی کا تھا... لہذا وہ خود کو نہایت اطمینان اور سکون سے بندھوانے لگے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے ابا جان۔" فرزانہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہم ان کے جال میں بری طرح آ گئے ہیں... میری بچی... اور یہ سب وزیر خارجہ کی مہربانی سے ہوا ہے، صدر صاحب ان کے دیدے میں آ کر کمرۂ امتحان تک چلے آئے... معاملہ پہلے ہی گرم کر دیا گیا تھا۔"

میں یہ جاننے کے لیے بہت بے چین ہوں کہ یہ لوگ کرنا چاہتے ہیں۔" محمود بڑبڑایا۔

"جو کچھ بھی کرنا چاہتے ہیں... اچھا نہیں کرنا چاہتے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیا آپ اندازہ لگا چکے ہیں۔"

"ہاں... سالک جامی والا معاملہ صرف ایک تجربہ تھا... انہیں سالک جامی سے کوئی غرض نہیں تھی... یہ تو بس یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ ان کا تجربہ کامیاب ہوتا ہے یا نہیں۔"

"کیا مطلب؟" پروفیسر داؤد زور سے چونکے۔

"انسپکٹر جمشید... تمہیں یہاں باتیں کرنے کی اجازت نہیں... اگر اب تم نے زبان کھولی تو تمہارے منہ پر بھی ٹیپ چپکا دی جائے گی۔"

"اچھی بات ہے... میں خاموش رہوں گا۔"

ان سب کو خوب کس کر رسیوں کے ساتھ باندھ دیا گیا یہاں تک کہ صدر صاحب کو بھی... اس کے بعد وزیر خارجہ نے پستول جیب میں رکھ لیا:

"خان صاحب... میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آپ اس ملک اور قوم کے دشمن ہوں گے۔"

"اب سوچ لیں... سوچنے پر کوئی پابندی نہیں ہے...

وزیر خارجہ نے مسکرا کر کہا۔

"کیا تم یہ سمجھتے ہو... اس ملک اور قوم کے خلاف سازش کر کے صاف بچ جاؤ گے۔" صدر صاحب جل کر بولے۔

"ہاں بالکل، نہ صرف یہ کہ میں صاف بچ جاؤں گا... بلکہ بدستور اس ملک کا وزیر خارجہ رہوں گا۔"

"ہمارے ہوتے ہوئے یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔" صدر صاحب غرائے۔

"آپ ہوں گے تب نا... آپ تو یہاں ہوں گے ہی نہیں۔"

"کیا مطلب؟" صدر صاحب نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"انسپکٹر جمشید ہمارا پروگرام سمجھ چکے ہیں... ان کے چہرے کی طرف دیکھیں... شکست کے آثار نظر آ رہے ہیں یا نہیں؟"

"بالکل نہیں... ہم لوگ شکست کھانا نہیں جانتے... شکست کی بجائے موت کو گلے لگانا بہتر سمجھتے ہیں۔"

"ایسا ہی ہو گا... فکر نہ کریں۔"

"یعنی موت کو گلے لگائیں گے ہم۔" صدر صاحب بولے۔

"ہاں! لیکن آپ نہیں... آپ کو زندہ رکھا جائے گا... آپ سے بہت کام لیا جائے گا۔"

"پتا نہیں... کیا چکر ہے... اور کیا منصوبہ ہے۔" صدر صاحب الجھن کے عالم میں بولے۔

"پریشان نہ ہوں سر... یہ لوگ کامیاب نہیں ہو سکیں گے"
انسپکٹر جمشید نے کہا۔
"اب ہمارے کامیاب ہونے میں کسر کیا رہ گئی ہے بھئی"
شومی ڈابر ہنسا۔
"باتوں میں وقت ضائع کرانے کے یہ لوگ ماہر ہیں ڈابر...
جان روڈف... تم میز پر لیٹ جاؤ۔"
"کیا مطلب؟ میز پر لیٹ جاؤں۔" جان روڈف چونکا۔
"ہاں! تمہیں پروگرام کی تفصیلات اس لیے نہیں بتائی گئی تھیں
کہ کہیں تم کوئی غلط حرکت نہ کر بیٹھو... ادھر میری طرف دیکھو"
سوبراک نے جان روڈف کو مخاطب کیا۔
جان نے جونہی اس کی طرف دیکھا... دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا...
نظریں نہ ہٹا سکا... سوبراک سانپ کی طرح پھنکارا:
"سنو جان... تم سو رہے ہو... تمہیں نیند آ رہی ہے... آ
رہی ہے نا۔"
"ہاں!" جان روڈف نے نیند کے عالم میں کہا۔
"تو پھر تم کھڑے کھڑے تو گر جاؤ گے نا... چلو اچھے بچے
کی طرح میز پر لیٹ جاؤ۔"
وہ گویا نیند میں چلتا ہوا میز تک گیا اور اس پر لیٹ گیا،
ان لمحات میں محمود، فاروق اور فرزانہ نے اپنے جھولی

میں سنسنی کی لہریں محسوس کیں...

"اب تم پر نیند پوری طرح طاری ہو گئی ہے... تم وہی کرو گے، جو میں کہوں گا، اور اس کے سوا تم کچھ نہیں کرو گے، سن لیا تم نے۔"

"ہاں! میں نے سن لیا..." اس کے ہونٹ ہلے... باقی جسم بالکل ساکت تھا...

"اچھا تو سنو... تم اس ملک کے صدر ہو... صدرِ مملکت ہو... یہاں سے نکل کر تم سیدھے اپنی گاڑی تک جاؤ گے... ڈرائیور تمھیں گھر لے جائے گا... تم گھر والوں کو بتاؤ گے کہ تمھاری طبیعت بہت خراب ہے... وہ ڈاکٹر کو بلائیں گے... لیکن اس سے پہلے ہی تم دونوں ہاتھوں سے اپنا گلہ دبا لو گے... تم اپنے ہاتھ گلے سے نہیں ہٹاؤ گے... ہرگز نہیں ہٹاؤ گے... سمجھ گئے۔"

"ہاں! بالکل سمجھ گیا۔"

"تم اس وقت کے ٹھیک تیس منٹ بعد جاگ جاؤ گے، اور اٹھ کر اپنی کار تک جاؤ گے... وہاں ڈرائیور موجود ہو گا... ڈرائیور سے تم کہو گے، گھر چلو... سمجھ گئے۔"

"بالکل سمجھ گیا۔" اس کے ہونٹ ہلے۔

"اب تمھیں کوئی کسی بھی قسم کی ہدایات دے... تم ان پر عمل نہیں کرو گے، یہاں تک کہ اگر میں بھی تمھیں کوئی اور ہدایات

دوں، تو تم ان پر بھی عمل نہیں کرو گے... صرف انھی ہدایات پر عمل کرو گے جو پہلے دی جا چکی ہیں، سمجھ گئے؟"

"بالکل سمجھ گیا۔"

سوبراک فوراً ایک بیگ کی طرف مڑا... بیگ سانپ کی کھال کا بنا ہوا تھا... اور ایک چھوٹی میز پر رکھا تھا... اس نے بیگ کھولا... اس میں سے ایک سرنج نکالی... سرنج میں دوائی بھری ہوئی تھی... اس نے وہ دوائی اس کے بازو میں اتار دی...

"اوّل تو یہ اس دوا سے ہی مرجائے گا اور ڈاکٹر بارٹ فیل ہونے کی رپورٹ لکھے گا... اور اگر کوئی کسر رہ گئی تو اس کے دونوں ہاتھ کام کر ڈالیں گے... شومی... اس کے چہرے پر صدر صاحب کے چہرے کا خول فٹ کر دو۔"

شومی فوراً حرکت میں آیا... ایک الماری میں سے اس نے جلد کی رنگت کا ایک خول نکالا اور اسے جان رووٹن کے چہرے پر چپکا دیا... خول خود بخود اس طرح چپک گیا کہ کسی سے ذرا بھی ابھرا ہوا نظر نہیں آ رہا تھا...

ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں... اب وہ سو فی صد صدر نظر آ رہا تھا... سوبراک نے صدر کی انگلی سے انگوٹھی نکال کر اسے پہنا دی... اس کے بعد اس کے کپڑے اتارے

گئے اور صدر کے کپڑے پہنا دیے گئے... ہاتھوں اور پیروں کا بھی میک اپ کیا گیا... اب اس کے ہاتھوں اور پیروں میں بھی کوئی فرق نہیں رہ گیا تھا۔

"لیجیے جناب... صدر صاحب تیار ہیں... وہ بھی مرنے کے لیے... کیا سمجھے"

"گویا تم یہ چاہتے ہو کہ صدر صاحب وفات پا جائیں" انسپکٹر جمشید نے سرد آواز میں کہا۔

"ہاں! اور ملک میں نئی حکومت آ جائے... نئی حکومت ہمارے عین مطلب کی ہو گی... اس کے لیے زمین پہلے ہی ہموار کی جا چکی ہے... تیاریاں مکمل ہیں... بس صدر کے مرنے کی دیر ہے اور اب انھیں مرنے میں دیر نہیں لگے گی... کیوں کیسا منصوبہ ہے۔" وہ بولا۔

"اس میں شک نہیں کہ بہت زبردست منصوبہ بنایا ہے تم نے... لیکن افسوس تم نے اس کی خرابیوں کی طرف توجہ نہیں دی۔

"خرابیوں کی طرف... لیکن میرے خیال میں تو اس میں کوئی خرابی ہے ہی نہیں"

"ارے میاں جاؤ... تمھیں اس میں کوئی خرابی نظر نہیں آ رہی... میں تو اس میں کئی خرابیاں نکال کر دکھا سکتا ہوں"

بلکہ تم کہو تو کپڑے نکال کر دکھا دوں." انسپکٹر جمشید نے شوخ
آواز میں کہا۔
"کیا مطلب..." سوبراک نے الجھن کے عالم میں کہا۔
"ہوشیار مسٹر سوبراک... یہ شخص بہت چالاک ہے... کہیں
آپ کو چکر میں نہ لے آئے." شوکی ڈابر بولا۔
"تم فکر نہ کرو... میں اسے تم سے زیادہ جانتا ہوں...
اسی لیے تو انھیں اس سارے منصوبے میں شامل کیا گیا ہے،
اسی لیے تو میں اکبر لاشا کے گھر موجود تھا... ورنہ مجھے کیا
ضرورت تھی... فرزانہ کے بالوں میں کلپ لگانے کی... میں
تو انھیں اپنے جال میں پھانسنے کے چکر میں تھا... اور دیکھ
لو... یہ چکر میں پھنس گئے."
"ہوں واقعی... آپ کا بھی جواب نہیں مسٹر سوبراک."
"انسپکٹر جمشید... تم کچھ خامیوں کا ذکر کر رہے تھے."
"ہاں! پہلی بات تو یہ کہ تم نے ہمارے بارے میں
کیا سوچا ہے."
"تمھیں بھی اسی ہوٹل میں دفن کر دیا جائے گا."
"لیکن تم بھول رہے ہو... یہاں گمشدگی کوئی معمولی بات
نہیں ہو گی... ہمارا سراغ لگانے کے لیے انسپکٹر کامران مرزا
میدان میں آئیں گے... اور تم تک پہنچ جائیں گے."

"یہ تمھارا خیال ہے... ہمارا نہیں۔" اس نے منہ بنایا۔

"یہی تمھاری اصلی غلطی ہے... تم نے ہمیں اس لیے پیٹا کہ کہیں ہم بعد میں تمھارا سراغ نہ لگا لیں، لیکن تم یہ بھول گئے کہ انسپکٹر کامران مرزا بھی تمھارا سراغ لگا لیں گے۔"

"خیر... میں ان کا بھی کچھ کر لوں گا... آپ فکر نہ کریں۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"جیسے تمھاری مرضی... اور صدر صاحب کا کیا کیا جائے گا...؟" انھوں نے کہا۔

"ارے ہاں! یہ بات تو رہ ہی گئی... شومی!... صدر صاحب پر جان روڈن کا میک اپ کر دو... میں ان پر بھی ہپناٹزم کر دیتا ہوں... یہ کل وہاں پہنچ جائیں گے... جہاں ہم انھیں پہنچانا چاہتے ہیں... اور مزے کی بات یہ کہ یہ دورانِ سفر خود کو جان روڈن خیال کرتے رہیں گے... جان روڈن کے کاغذات مکمل ہیں اور ان کا ٹکٹ بھی حاصل کر لیا گیا ہے۔"

"اوہ..." وہ دھک سے رہ گئے... اس قدر مضبوط منصوبے کے بارے میں تو وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔

شومی ڈابر نے بیگ میں سے ایک دوسری جھلی نکالی اور صدر صاحب کے منہ پر چپکا دی... اب وہ جان روڈن نظر آنے لگے...

"آپ میری طرف دیکھیں۔"
"ہرگز نہ دیکھیں سر۔" انسپکٹر جمشید چلائے۔
"اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا... انسپکٹر جمشید..." سوبراک ہنسا۔
"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔
"مطلب یہ کہ میں اپنی آواز کے ذریعے بھی دوسرے پر ہپناٹزم کر سکتا ہوں... ابھی تم دیکھ ہی لو گے... مسٹر صدر... کیا تم میری آواز سُن رہے ہو... سُن رہے ہو تو جواب دو۔"
"ہاں! سُن رہا ہوں۔" انھوں نے نیند کے عالم میں کہا، ان کی آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں۔
"شکریہ... آپ کو نیند آ رہی ہے... گہری نیند... نیند کی حالت میں جو ہدایات آپ کو دوں گا... آپ بس ان کو یاد رکھیں گے... کیا سمجھے؟"
"سمجھ گیا۔"
"کیا تم پوری طرح سو چکے ہو۔"
"ہاں! میں سو چکا ہوں۔"
"بہت خوب... اپنا دایاں ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔"
صدر صاحب کا دایاں ہاتھ اٹھ گیا...
"ہاتھ یک دم گرا دو۔" اس نے حکم دیا۔

ہاتھ ذرا گر گیا...

"ٹھیک ہے... اب ہدایات سنو... تم چوبیس گھنٹے کے لیے یہ بات بھول جاؤ گے کہ کون ہو... صرف تمھیں یہ بات یاد رہ جائے گی کہ تم جان روڈنٹ ہو اور برطانیہ کا سفر کر رہے ہو... برطانیہ کے ایئرپورٹ پر تمھیں لینے کے لیے کچھ لوگ موجود ہوں گے... تم ان کے ساتھ چلے جاؤ گے اور ٹھیک چوبیس گھنٹے بعد تمھیں یاد آ جائے گا... کہ تم کون ہو... کیا سمجھے۔"

"سمجھ گیا۔"

"آخر ایسا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"ایسا کرنے کی ضرورت ہے... ملک کے صدر کو ملک کے جو راز معلوم ہوتے ہیں... وہ دوسرے کسی آدمی کو نہیں معلوم ہو سکتے... کیا سمجھے۔"

"اوہ! تو تم ان سے ملک کے راز معلوم کرو گے۔"

"ہاں! اگر انھوں نے خود بخود نہ بتائے تو ہپناٹزم کے ذریعے معلوم کر لیے جائیں گے۔"

"اوہ نہیں۔" انسپکٹر جمشید چلائے۔

"اب یہی ہو گا... اتنا زبردست منصوبہ تم نے کبھی پڑھا یا سُنا نہیں ہو گا اور نہ کسی نے تم پر آزمایا ہو گا، کیوں

کیا خیال ہے:

"اس خیال کی تائید نہیں کر سکوں گا... اس لیے کہ جیرال جیسا شخص ہمارے خلاف کئی منصوبے بنا چکا ہے اور ہم نے اسے صاف شکست دی ہے.... اور تم جیرال سے بڑے مجرم نہیں ہو سکتے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جیرال ہپناٹزم کا ماہر نہیں ہے۔" وہ ہنسا۔

"وہ اس کے بغیر اپنا کام چلا لیتا ہے... لیکن ہمارے مقابلے میں اس کی دال بھی نہیں گلی... تو تمھاری کیسے گلے گی۔" انھوں نے کہا۔

"وہ تو کب کی گل بھی چکی ہے... وہ دیکھو... تیس منٹ ہوا چاہتے ہیں... جان رورٹ اب اٹھنے والا ہے... وہ صدر کی حیثیت سے اب یہاں سے رخصت ہو گا... کیوں کیسی رہی..." سوبراک بولا۔

"ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کیسی رہی... یہ وقت بتائے گا..."

"ہم بھی اس وقت کا انتظار کر رہے ہیں۔"

عین اس وقت جان رورٹ نے آنکھیں کھول دیں...

وہ چونک کر اٹھا... حیرت زدہ انداز میں اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر کسی سے کچھ کہے بغیر باہر کی طرف چلا...

"دیکھا تم لوگوں نے... کس طرح منصوبے پر عمل ہو رہا ہے... ایک تیر سے دو شکار اسے کہتے ہیں، ایک طرف تمہاری حکومت بدل جائے گی... اور ہماری مرضی کے آدمی اوپر آ جائیں گے... دوسری طرف تمہارے ملک کے انتہائی قیمتی راز ہمارے ہاتھ لگ جائیں گے۔"

"ہاں! ہم دیکھ رہے ہیں اور سن بھی رہے ہیں..." محمود نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"لیکن بے بس ہو... اس حد تک کہ ہل بھی نہیں سکتے۔" اس نے فخریہ انداز میں کہا۔

"تمہارے سارے منصوبے میں ایک خامی رہ گئی آخر۔" ایسے میں انسپکٹر جمشید نے پُراسرار انداز میں کہا۔

"کیا مطلب... خامی؟" وہ چونکا۔

"ہاں خامی... اور وہ خامی تمہیں لے بیٹھے گی۔"

"میں سمجھا نہیں... تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"میں کیوں بتاؤں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ہمیں چکر دینے کی کوشش نہ کرو... ہمارے منصوبے میں کوئی خرابی یا کوئی خامی نہیں ہے... اس کا پہلے ہی ہر طرح جائزہ لے لیا گیا تھا۔" اس نے بے فکری کے انداز میں کہا۔

"جس طرح مجرم کسی نہ کسی غلطی سے ضرور پکڑا جاتا ہے..

اسی طرح ہر منصوبے میں کوئی نہ کوئی خامی یا کمزور پہلو رہ جاتا ہے... اس کا اندازہ شروع میں ہو ہی نہیں سکتا... جب اس خامی کا نتیجہ سامنے آتا ہے... اس وقت پتا چلتا ہے... اور اس منصوبے کی خامی یہ ہے... مسٹر سوبراک کہ تم نے ہمیں سمجھنے میں بہت غلطی کی ہے... مطلب یہ کہ ہمارے بارے میں تمہارا اندازہ بالکل غلط ثابت ہو گیا ہے۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

ایک لمحے کے لیے اس کا رنگ اڑتا نظر آیا...

مجرم کا انجام

"ہاں مسٹر سوبراک تم ہار گئے... اس تمام تر کامیابی کے باوجود
تم ہار گئے... ہمارے ہاتھ پیر اگرچہ بندھے ہوئے ہیں، اور
تم آزاد ہو... ہم کچھ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں... جب کہ
تم سب کچھ کر گزرنے کی پوزیشن میں ہو... اس کے باوجود
تم ہار گئے۔"

"آخر کیسے... لمبی لمبی باتیں کر کے تم مجھے دھوکا نہیں
دے سکتے۔" اس نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"سنو مسٹر سوبراک... غور کرو... مالک جامی کی جگہ بے چارے
آفاق جونی کو اسی طرح میک اپ کر کے بھیجا گیا تھا...
جس طرح تم نے اب بابان روڈٹ کو بھیجا ہے... جب ہم
نے اس کیس کی تفتیش شروع کی تو کسی طرح بھی اس کی
وجہ سمجھ میں نہیں آئی... کہ آخر مالک کی جگہ کسی دوسرے
کو کیوں بھیجا گیا... ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی... ہزار

ذہن دوڑانے پر بھی کوئی بات سمجھ میں نہ آئی... لیکن بہرحال اس کی کوئی وجہ ضرور تھی... آخر میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ کام صرف تجربہ کے طور پر کیا گیا ہے... اور اس تجربے کو پھر سے دہرایا جائے گا... کس رنگ میں دہرایا جائے گا... اس کا اندازہ میں بھی نہیں لگا سکا... تاہم میں نے ہر طرح کی احتیاطی تدابیر پہلے ہی کر لی تھیں... سب سے زیادہ خطرہ مجھے یہی تھا کہ صدر صاحب پر کہیں یہ داؤ نہ چل جائے... کیوں کہ ہمارے صدر صاحب چند بڑی طاقتوں کی نظروں میں بری طرح کھٹک رہے ہیں... صدر صاحب دراصل اسلام پسند ہیں نا... اس لیے، وہ چاہتے ہیں... کسی طرح ان کا کانٹا نکال دیا جائے اور ان کی جگہ اپنی مرضی کی حکومت لے آئی جائے... لہٰذا جونہی سانگ جای والا واقعہ پیش آیا... میرے کان کھڑے ہو گئے... سب سے زیادہ یہاں خطرہ صدر صاحب کے لیے محسوس ہوا... میں نے فوراً اس کا انتظام کر لیا..." یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

"کیا مطلب؟ کیا انتظام کر لیا۔"

"اتنا زبردست انتظام کہ تمہارے فرشتے بھی اس کے بارے میں نہیں سوچ سکتے۔" انسپکٹر جمشید نے طنزیہ انداز

میں کہا۔

"بکواس! تم یونہی آئیں بائیں شائیں کر رہے ہو۔"

"اچھا یہ بات ہے... تمھارے خیال میں مَیں اِدھر اُدھر کی ہانک رہا ہوں... لیکن ابھی جب ثبوت تمھارے سامنے پیش کروں گا تو تمھارے ہاتھوں کے طوطے اڑتے نظر آئیں گے... اس وقت تمھارے چہرے پر جو کیفیت نظر آئے گی... اس کے بارے میں مَیں اس وقت بھی اندازہ لگا سکتا ہوں۔" انھوں نے کہا۔

"چلو خیر... ثبوت پیش کرو۔"

"پیش کرنے کی کیا ضرورت ہے... ثبوت تو تمھارے سامنے موجود ہے۔"

"کیا مطلب؟ کہاں ہے ثبوت۔"

"یہ رہا ثبوت... ہمارے صدر صاحب کی صورت میں"

"شاید تمھیں پہیلیاں بجھوانے میں خاص ملکہ حاصل ہے"

"دوسروں کا یہ خیال میرے بارے میں ہو سکتا ہے میرا اپنا نہیں۔"

"اگر تم نے ایک منٹ کے اندر اندر بات واضح نہ کی تو میں تمھیں گولیوں سے چھلنی کر دوں گا۔"

"اس سے بھی کچھ نہیں ہو گا... ناکامی پھر بھی تمھارے

چھٹے میں آئے گی۔"

"شاید انسپکٹر جمشید کسی پاگل شخص کا نام ہے... جو خوابوں کی دنیا میں رہتا ہے۔"

"خوابوں کی دنیا میں اس کے دشمن رہتے ہیں... جو یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم جمشید کو آسانی سے بے وقوف بنا سکتے ہیں۔"

"صرف باتیں... وہ بھی ہمیں الجھانے کے لیے... اور کچھ بھی نہیں۔" سوبراک نے منہ بنایا۔

"کیا خیال ہے... جان روڈف صدر صاحب کے روپ میں صدر صاحب کے گھر تک پہنچ گیا ہو گا۔"

"امید تو یہی ہے کہ اس وقت تک وہ نہ صرف پہنچ گیا ہو گا... بلکہ مر بھی گیا ہو گا۔" سوبراک نے کہا۔

"کیوں نہ فون کر کے پوچھ لیا جائے۔"

"افسوس! میں تمہیں یہاں سے فون کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"کیوں... اس میں کیا حرج ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"میرے پاس وقت نہیں ہے... میں جان گیا... تم وقت گزارنے کی کوشش میں ہو... اس لیے اب ہم صدر صاحب کو یہاں سے سمگل کرنے کی تیاریاں کرتے ہیں۔"

"اور اپنے ملک لے جا کر ان بے چارے سے ایک بات بھی ملک کے بارے میں معلوم نہیں کر سکو گے۔"

"کیوں معلوم نہیں کر سکیں گے... ہمارے پاس تو ایسی ایسی مشینیں ہیں کہ آدمی فوراً سچ بولنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔"

"ہاں! ہوں گے... اور صدر صاحب بھی ان مشینوں میں کسے جانے کے بعد سچ ہی بولیں گے، لیکن ان کا سچ تمہارے کسی کام نہیں آئے گا... کیا سمجھے۔"

"پتا نہیں... کیا اوٹ پٹانگ ہانک رہے ہو... آج کسی ناکامی نے ضرور تمہارے دماغ پر بڑا اثر کیا ہے۔"

"ناکامی نے نہیں... کامیابی نے... آج کی کامیابی تو بہت دنوں تک یاد رہے گی۔"

"تم پہلے بھی کامیابی کامیابی کی رٹ لگا چکے ہو... آخر وہ کامیابی کیا ہے۔" اس نے جھلا کر کہا۔

"جب انھیں شکنجے میں کسو گے... تو پتا ہے کیا کہیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

"کیا کہیں گے؟"

"یہ کہ میں تو صدر ہوں ہی نہیں... میں کیا بتا سکتا ہوں، اور چونکہ وہ مشینیں انسان کو سچ بولنے پر مجبور کر دیتی ہیں، لہذا ان کے اس سچ پر تمھیں یقین کرنا پڑے گا۔"

"صاحب یہ بات ان مشینوں میں ہرگز نہیں کر سکیں گے۔"
سوبراک نے دعویٰ کیا۔
"کیوں نہیں کر سکیں گے... جب کہ یہ صدر نہیں ہیں... صدر کے میک اپ میں ان کے ایک خادم ہیں۔"
"کیا!!!" سوبراک پورے زور سے چلایا... اس کا رنگ یک لخت اڑ گیا۔
"میں نے کہا تھا نا... اس وقت تمہارے چہرے کا جو حال ہو گا... اس کا اندازہ میں پہلے ہی لگا سکتا ہوں... بالکل اسی قسم کے چہرے کا اندازہ لگایا تھا میں نے۔"
"شومی... دیکھو... کیا اس شخص کے چہرے پر میک اپ کیا گیا ہے؟"
شومی نے اس کے چہرے کو اچھی طرح دیکھا... اور پھر کہا:
"کچھ نہیں کہا جا سکتا۔"
"اچھی بات ہے... میرے بیگ میں نیلے سیال والی بوتل نکال کر روئی کے ذریعے اس کے چہرے پر وہ سیال لگاؤ۔ اگر میک اپ ہوا تو فوراً اتر جائے گا۔"
شومی نے ایسا ہی کیا... چند منٹ بعد صدر کی جگہ ایک اور آدمی بیٹھا نظر آیا:

"اوہ... انسپکٹر جمشید غلط نہیں کہہ رہے تھے۔" سوبراک نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"یہ کیا ہوا سر؟" شومی بولا۔

"چوٹ ہو گئی... خیر ہم اس چوٹ کا انتقام ان سے ضرور لیں گے۔"

یہ کہہ کر سوبراک انسپکٹر جمشید کی طرف بڑھا... اچانک اس کے سینے پر ان کے دونوں پیر لگے، وہ الٹ کر گرا... اس کے ساتھ ہی وہ سب اٹھ کھڑے ہوئے... حالانکہ تھوڑی دیر پہلے تک سب کے سب بندھے نظر آ رہے تھے... یہ حیرت کا دوسرا جھٹکا سوبراک اور اس کے ساتھیوں کو لگا... انسپکٹر جمشید نے اس پر چھلانگ لگاتے ہوئے کہا:

"مسٹر سوبراک... ہم ایسی رسیوں کو خاطر میں نہیں لاتے... ان سے بہت آسانی سے نجات حاصل کر لیتے ہیں... تم نے منصوبہ بناتے وقت ہمارے بارے میں معلومات تو حاصل کیں، لیکن وہ معلومات مکمل نہیں تھیں... اور اگر وہ مکمل ہوتیں تو بھی کوئی فرق نہ پڑتا... اس صورت میں بھی ہم تمھارا کوئی بندوبست ضرور کر لیتے۔"

اب انھوں نے اسے بری طرح دبوچ لیا تھا... دوسری طرف محمود، فاروق، فرزانہ اور خان رحمان سوبراک کے ساتھیوں

سے بھرے ہوتے تھے ... گویا اس بڑے کمرے میں ایک خوف ناک لڑائی ہو رہی تھی ...

ایسے میں انسپکٹر جمشید زور سے اچھلے اور سوبراک ان سے الگ دور کھڑا نظر آیا:

"فتح اب بھی ہمارے قدم چومے گی انسپکٹر۔" اس نے فخریہ انداز میں کہا۔

"اچھا! وہ کیسے بھئی ... ذرا یہ تو بتا دو۔"

"وہ ایسے کہ ہم ابھی تم سب کو چٹنی بنا دیں گے... اور اس منصوبے کو ایک بار پھر سے ترتیب دیں گے... وزیر خارجہ جیسے اور کئی مہرے ابھی اس ملک میں ہمارے پاس ہیں۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے... اس قسم کے مہروں نے ہی تو ہمارے ملک کا سکون برباد کر رکھا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا... اور اس کی طرف بڑھے... وہ پرسکون انداز میں کھڑا رہا... لیکن جونہی وہ نزدیک پہنچے... بلا کی پھرتی سے اچھلا، اور ان سے ٹکرایا... انھوں نے بچنے کی کوشش کی... لیکن ٹکر سے بچ نہ سکے... تاہم وہ گرے نہیں... ہاں اس ٹکر نے سوبراک کو چاروں شانے چت کر دیا...

سوبراک کے ساتھیوں نے ہمت ہار دی ... یوں بھی محمود،

فاروق، فرزانہ اور خان رحمان ان کی خاطر خواہ مرمت کر رہے تھے... ایسے میں وزیر خارجہ کی آواز ابھری:

"اب یہ لڑائی بند ہو جانی چاہیے... کیوں کر ہمیں یہاں سے نکلنا بھی ہے۔"

"نکلنے تو اب ہم نہیں دیں گے جناب... بہت نقصان پہنچایا ہے آپ نے ہمارے ملک کو۔" انسپکٹر جمشید نے بُرا سا منہ بنایا۔

"کیسے نہیں دو گے بھئی... میرے ہاتھ میں اس وقت ایک عدد بم ہے... یہ بم ہیں اگر تمہاری طرف اچھال دوں تو تم سب کے پرخچے اڑا دے گا... یہ دیکھو انڈا بم۔"

"انڈا بم۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"ہاں! انڈا بم... دس بیس آدمیوں کے لیے یہ بہت کافی رہتا ہے... استعمال کرنے کا طریقہ بھی بہت آسان ہے کچھ بھی نہیں کرنا پڑتا... بس پھینک دو دشمنوں پر۔"

"اور یہ انڈا بم بھی تمہیں برطانیہ سے ملا ہو گا۔" انسپکٹر جمشید نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"ہاں! اور کیا... وہ تو ہمارے آقا ہیں... اور ہم ان کے غلام۔"

"واہ... غلام ہو کر کس قدر خوش ہو رہے ہو... تم سے

تو ننھے منے پرندے اچھے ... جو غلامی سے کبھی بھی خوش نہیں ہوتے،
صرف آزاد فضا کو پسند کرتے ہیں۔"

"مسٹر سوبراک تم اور تمہارے ساتھی میری طرف آجائیں... انڈا
بم ان پر پھینک کر ہم یہاں سے نکل جائیں گے۔"

"بہت خوب خان صاحب... آپ نے تو کمال کر دیا" سوبراک
نے خوش ہو کر کہا۔

لیکن جونہی سوبراک نے آگے بڑھنا چاہا... محمود نے اپنی ٹانگ
آگے کر دی... وہ اس کی ٹانگ میں الجھ کر گرا...

"اسے ہم سرکاری ٹانگ کہتے ہیں... اب اس انڈے کی موت
ہمارے ساتھ تم بھی مرو گے..." یہ کہتے ہوئے محمود اس پر
گرا اور اسے چھاپ لیا... لیکن وہ اس اکیلے کے بس کا روگ
تو تھا نہیں... معاملہ کنٹرول سے باہر ہوتے دیکھ کر فاروق
اور فرزانہ بھی اس کی مدد کو بڑھے... اور انسپکٹر جمشید نے شوکی
کو پکڑ لیا... خان رحمان نے ایک ساتھی کو پکڑا... اب ایک
طرف صرف غدار وزیر خارجہ کھڑا تھا... تو دوسری طرف وہ
اور اس کے سب ساتھی...

"اب کیا خیال ہے خان صاحب... کیا آپ اب بھی انڈا
بم پھینک سکیں گے۔"

"ہاں! کیوں نہیں... اگر میں ان لوگوں کو نہیں بچا سکتا

تو اپنے آپ کو تو بچا سکتا ہوں۔۔؟

"یہ ... یہ آپ کیا کہ رہے ہیں خان صاحب ..." شوٹی نے گھبرا کر کہا۔

"خان صاحب! آپ ہم پر انڈا نہیں پھینکیں گے۔" سوبراک نے غرّا کر کہا۔

"اس میں شک نہیں کہ اس ملک میں تم ہم سب پر انچارج ہو... لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ تمھیں محفوظ رکھنے کے چکر میں مَیں اپنی جان گنوا دوں ... اس ملک میں غدار کو صرف موت کی سزا دی جاتی ہے... یہ تو مجھے چڑھا دیں گے پھانسی۔"

"تب پھر... کیا کیا جائے۔" سوبراک بولا۔

"بہتر یہ ہے کہ آپ سب خود کو قانون کے حوالے کر دیں۔" فاروق مسکرایا۔

"بہت دیر بعد زبان کھولی... شاید آج زبان گھر چھوڑ آئے تھے۔"

"اگر گھر چھوڑ آیا ہوتا... تو اس وقت یہ جملہ کس طرح کہتا۔" فاروق بولا۔

"نہیں مسٹر سوبراک... وقت بہت نازک ہے... میں جا رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے انڈا ان کی طرف اچھال دیا... انسپکٹر جمشید نے بجلی کی سی تیزی سے شومی کو چھوڑتے ہوئے... انڈا بم کیچ کر لیا... اور وزیر خارجہ کی طرف دوڑے... وہ اس وقت تک خفیہ دروازہ کھول چکا تھا... اور دروازے سے باہر نکل چکا تھا... جونہی وہ باہر نکلے... انھیں رک جانا پڑا... باہر فوج ہی فوج موجود تھی... اور ایسا ان کی ہدایت پر ہوا تھا... انھوں نے ہدایت دی تھی... کہ ہوٹل شاہی کو پچاس گز دور تک گھیرے میں لے لیا جائے...

فوج کو دیکھ کر وزیر خارجہ ٹھٹک کر رک گیا... اور پھر اچانک اس نے چلّا کر کہا:

"تم جانتے نہیں؛ میں اس ملک کا وزیرِ خارجہ ہوں... ہٹ جاؤ... میرا راستا نہ روکو... میں بہت جلدی میں ہوں۔"

لیکن کسی نے بھی اس کا راستا نہ چھوڑا... شاید انسپکٹر جمشید پہلے ہی فوج کے اعلیٰ ترین آفیسرز کو اس کی غداری سے مطلع کر چکے تھے... لہٰذا اسے جکڑ لیا گیا...

"ایک غدار کو جو سزا ملتی ہے... خان صاحب آپ کو وہ نہیں ملے گی... ویسے آپ کو خان صاحب بھی نہیں کہنا چاہیے... آپ تو بناوٹی خان صاحب ہیں... اصل خان صاحب تو اس ملک کے لیے جان دینے کا جذبہ رکھتے ہیں... جیسے

ہمارے خان رحمان ہیں ... اور نہ جانے کتنے خان صاحبوں نے
جانیں قربان کر دی ہیں ..."
باقی لوگوں کو بھی گرفتار کر لیا گیا ... اس کے بعد یہ قافلہ
صدر صاحب کے پاس پہنچا ... ان کے گھر میں جان رروڈف
اپنی جان سے ہاتھ دھو چکا تھا ... لیکن گھر والوں کو تو
پہلے ہی صورتِ حال معلوم تھی ... اور صدر صاحب بھی گھر
میں ہی تھے ... انھیں دیکھ کر مسکرائے ...
"اس غدار نے ملک کو بہت نقصان پہنچائے ہیں سر ..."
انسپکٹر جمشید بولے۔
"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا ... خیر ... اعلیٰ عدالت اس کا
فیصلہ کرے گی۔"
"لیکن میں نے اس کے لیے جو سزا تجویز کی ہے ... اس
پر اگر عمل کیا جائے تو ملک سے غداروں کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔"
"اور وہ کیا ہے جمشید۔"
"اس کی تمام جاگیر غریبوں میں تقسیم کر دی جائے، اس
جاگیر میں سے سب سے زیادہ حصہ سالک جامی کے گھر والوں
کو دیا جائے ... وزیر خارجہ کے گھر کے افراد کو زیر نگرانی رکھا
جائے ... اگر وہ اس کے جرم میں کسی طرح بھی شریک
ثابت ہوں تو انھیں جلاوطن کر دیا جائے ... باقی رہا سزا

کا مسئلہ کہ سزا کیا دی جائے... شہر کے سب سے بڑے میدان میں اس کے جسم پر اس وقت تک کوڑے برسائے جائیں... جب تک کہ اس کی روح پرواز نہ کر جائے... اس منظر کو سارے شہر والے دیکھیں... اور دوسرے شہروں کو یہ منظر ٹی وی کے ذریعے دکھایا جائے... آخر ٹی وی پر کرکٹ وغیرہ کے میچ بھی تو دکھائے ہی جاتے ہیں... یہ کیوں نہیں دکھایا جا سکتا..."

"لیکن اس پر شور بہت مچے گا جمشید... غیر ملکی پریس بہت پراپیگنڈہ کرے گا۔"

"تو کیا ہوا سر... میں انھیں جواب دوں گا... میں..."

"اچھی بات ہے... یہ سزا ضرور دی جائے گی اور فوری طور پر دی جائے گی... اس کے گھر والوں کی چیکنگ بھی تم خود کرو گے... اگر وہ غداری کے جرم میں شریک نہیں ہیں، تب وہ اس ملک میں رہ سکیں گے، ورنہ نہیں۔"

"ابھی وزیر خارجہ کی گرفتاری کی کسی کو خبر نہیں... لہذا میں کیوں نہ پہلے انھی کو چیک کر لوں۔"

"یہ ٹھیک رہے گا۔"

انھوں نے محمود، فاروق اور فرزانہ کو ساتھ لیا اور وزیر خارجہ کے گھر پہنچ گئے... دستک کے جواب میں ایک ملازم

نے دروازہ کھولا اور پھر انھیں ڈرائنگ روم میں بٹھا کر چلا گیا، جلد ہی وزیر خارجہ کا بڑا لڑکا اندر داخل ہوا:

"ابّو تو گھر میں نہیں ہیں۔"

"کوئی بات نہیں... مجھے اس کے گھر کی تلاشی لینی ہے۔"

"جی... تلاشی... وہ کیوں۔" وہ حیران رہ گیا۔

"ہمارا خیال ہے کہ آپ کے ابّو ملک دشمن سرگرمیوں میں معروف ہیں... اس لیے تلاشی لینے کا پروگرام ہے..."

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔" وہ حیران رہ گیا۔

"آپ ایسا کریں کہ... سب گھر والوں کو یہاں لے آئیں... خواتین اگر پردہ کرتی ہوں تو وہ دروازے کی اوٹ میں ہو جائیں گی۔"

"آپ کرنا کیا چاہتے ہیں؟"

"تلاشی سے پہلے چند سوالات..." وہ بولے

"اچھی بات ہے۔"

وہ کمرے سے نکل گیا... اور پھر سب کو لے آیا.... کئی لڑکے اور لڑکیاں اس کمرے کے اندر آ گئیں... عورتیں باہر رہ گئیں...

"آپ کو معلوم ہو ہی گیا ہو گا کہ ہم کس سلسلے میں آئے ہیں... آپ کے گھر کی تلاشی لیں گے... ہمارا خیال ہے کہ

کہ خان صاحب ملک کے غدار ہیں۔"

"ن... نہیں.... نہیں... یہ غلط ہے۔" ایک عورت چلائی۔

"میرا آپ سے ایک سوال ہے... سوچ سمجھ کر جواب دیں... فرض کریں یہ بات درست ہو تو آپ ان کے بارے میں کیسے جذبات رکھیں گے... آپ اُن سے نفرت کریں گے یا بدستور محبت کرتے رہیں گے... انھیں بچانے کی کوشش کریں گے یا یہ پسند کریں گے کہ انھیں غداری کی سزا ملے۔"

"وہ غدار نہیں ہیں..." بڑا لڑکا بولا۔

"میں کہہ چکا ہوں... فرض کر لیں۔"

"خیر... فرض کر لیتے ہیں... کہ وہ ملک کے غدار ہیں... اس صورت میں بھی وہ ہمارے باپ ہیں... بھائی ہیں... اور شوہر ہیں... ہم انھیں بچانے کے لیے ہر ممکن کوشش کریں گے۔"

"کیا کوشش کریں گے؟"

"جو بھی ہم کر سکے۔" لڑکے نے کہا۔

"گویا آپ کو ان سے نفرت محسوس نہیں ہو گی۔"

"نہیں... بالکل نہیں۔"

"تب پھر سن لیں... آپ کے والد غدار ثابت ہو چکے ہیں... ان کے خلاف مکمل ثبوت ہمارے پاس موجود ہے۔"

"ن... نہیں۔" وہ چلائے۔

"اب آپ ان کے لیے کیا کریں گے... جب کہ کل شام انھیں
شہر کے سب سے بڑے میدان میں کوڑے لگائے جائیں گے...
اس وقت تک... جب تک کہ ان کے جسم سے جان نہ
نکل جائے۔"

"کیا کہا..." وہ چلّائے، پھر ایک عورت نے کہا۔
"میرے شوہر کو سزا نہیں دی جا سکتی... پورا ملک طوفان
کی لپیٹ میں آ جائے گا..."

"وہ کیسے محترمہ..."

"ہم ابھی برٹائن کی حکومت کو فون کرتے ہیں... انھوں
نے ہمیں پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اگر کبھی ایسا وقت آ جائے
تو برٹائن کو فون کر دیا جائے... اس کے بعد معاملہ ہمارے
حق میں ہو گا۔"

"بہت خوب... گویا آپ کو ان کی غداریوں کا حال معلوم
ہے۔"

"ہمارے باپ دادا کو انگریزوں نے جاگیر دی تھی... ہم نے
جب سے ہوش سنبھالا ہے... اس جاگیر کے بل پر عیش ہی
کی ہے... لوگوں پر حکومت ہی کی ہے... اور جب سے ہمارے
ابّو وزیر خارجہ بنے ہیں، اس وقت سے تو ہماری حیثیت
ہی کچھ اور ہے... لہذا ہم برٹائن کو کیوں اطلاع نہیں

دیں گے۔"

"اور تم لوگوں کا خیال ہے کہ برطانیہ کی حکومت تمھارے ابّو کو سزا سے بچا لے گی۔"

"نہ صرف بچا لے گی... بلکہ وہ اس عہدے پر بدستور فائز رہیں گے۔"

"بہت خوب! میں آپ سب کو بھی گرفتار کرتا ہوں۔"

"آپ اور ہمیں گرفتار کریں گے..." بڑے لڑکے کے لہجے میں حیرت تھی۔"

"ہاں! میں تو آپ کے والد صاحب کو گرفتار کر چکا ہوں، آپ تو ہیں کس کھیت کی مولی۔"

"ہم ابھی صدر انکل کو فون کرتے ہیں۔"

"جس کو بھی فون کرنا چاہو... کر لو... پھر تمھیں اس کی بھی مہلت نہیں دی جائے گی..." انھوں نے سرد آواز میں کہا... اور پھر محمود سے بولے:

"محمود... تم اکرام کو فون کر دو۔"

اکرام کو فون کر دیا گیا... اس کے بعد وزیر خارجہ کے گھر والوں نے فون کرنے شروع کیے... جلد ہی اکرام اپنے ماتحتوں سمیت وہاں پہنچ گیا... اس وقت تک وہ فون کر چکے تھے... لہذا انسپکٹر جمشید کے اشارے پر ان سب

کو گرفتار کر لیا گیا... وہ انھیں لے کر ایوانِ صدر پہنچے، صدر صاحب انھیں دیکھتے ہی بولے:

"بھئی... یہ کیا کر دیا... ان لوگوں کو فون کرنے کی مہلت کیوں دی۔"

"اسی میں ہمارے ملک کا فائدہ ہے سر..." انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"فائدہ ہے... وہ کیسے... مجھ پر تو انشارجہ تک دباؤ ڈال رہا ہے کہ خان صاحب کو چھوڑ دیا جائے۔"

"اب یہ بات پوری دنیا میں پھیل جائے گی... ٹھیک ہے نا سر۔"

"ہاں... بالکل۔" صدر صاحب حیران ہو کر بولے۔

"اور ہمارے ملک میں جتنے غدار ہیں... وہ سب بھی اس صورتِ حال سے باخبر ہو جائیں گے.... کتنی بڑی بڑی طاقتیں وزیرِ خارجہ کی جان بچانے کی کوشش کر رہی ہیں۔"

"ہاں تو پھر۔"

"پھر یہ کہ جب ہم وزیرِ خارجہ کو سزا دیے بغیر نہیں مانیں گے تو دوسرے تمام غدار جو برطانیہ وغیرہ پر تکیہ کیے بیٹھے ہیں... انھیں معلوم ہو جائے گا کہ پکڑے

جانے کی صورت میں یہ ممالک ان کی کوئی مدد نہیں کر سکیں گے... ہمارے ملک میں غداری اس وجہ سے پھل پھول رہی ہے... کہ ان غداروں کو یہ یقین دلا دیا جاتا ہے کہ پاک لینڈ کی حکومت تمھارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتی... اگر تم پکڑے بھی گئے، تو بھی چھڑا لیے جاؤ گے اور ہمارے ملک میں باقی زندگی عیش کرو گے۔"

"ہوں! تمھاری تمام باتیں بالکل درست ہیں جمشید... میں سمجھ گیا... اب چاہے کچھ ہو... کتنے ہی طوفان کیوں نہ اٹھیں... اسے سر عام سزا دی جائے گی۔"

"شکریہ سر... اسی میں ہماری اور ہمارے ملک کی جیت ہے... اس میدان میں آپ اس گھرانے کی ساری جاگیر غریبوں میں تقسیم کرنے کا اعلان کریں گے۔"

"ہاں ٹھیک ہے... بالکل اعلان کروں گا۔"

عین اسی وقت فون کی گھنٹی بجی... صدر صاحب کو بتایا گیا کہ انشارجہ کے صدر کا فون ہے...

"لو آ گئے حضرت سفارش کرنے..." انھوں نے بُرا سا منہ بنایا اور ریسیور اٹھا لیا:

"پاک لینڈ کا صدر بات کر رہا ہوں جناب۔"

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں... آخر اپنے ہی وزیر خارجہ کو کیوں پکڑا ہے۔"

"وہ ہمارے ملک سے غداری کرتے رہے ہیں... ثبوت مل چکے ہیں جناب..."

"پھر بھی... اس طرح پوری دنیا میں آپ کے ملک کی کس قدر بدنامی ہو گی۔"

"لیکن ہم کیا کر سکتے ہیں... اس غدار کو چھوڑ کس طرح سکتے ہیں۔"

"ان لوگوں کو ہمارے ملک میں بھیج دیں اور ان کے معاملے میں خاموشی اختیار کر لیں... عوام کو کیا پتا لگے گا کہ یہ لوگ کہاں ہیں۔"

"نہیں سر... میں اپنے ملک کے عوام کو دھوکے میں نہیں رکھ سکتا۔"

"گویا آپ وزیر خارجہ کو سزا دینا چاہتے ہیں۔"

"ہاں! جناب۔"

"اس کا انجام بہت افسوس ناک ہو گا... یہ سوچ لیں۔"

"سوچ چکے ہیں۔"

"بہت بہتر! اب ایک بڑی تباہی کا سامنا کرنے کے

لیے ہو جائیں:
"شکریہ جناب... اللہ مالک ہے۔"
"امداد ہر طرح کی بالکل بند کر دی جائے گی۔"
"اس کا مطلب ہے... غداروں کو کھلی چھٹی دے دی جائے تو ہمیں امداد ملے گی... ایسی امداد سے ہم بے امداد بھلے جناب۔"

اس کے ساتھ ہی ریسیور رکھ دیا گیا... اسی شام صدر صاحب نے قوم سے خطاب کیا اور اعلان کیا کہ اب پورے ملک میں کوئی سرکاری فضول خرچی نہیں ہو گی... کسی بیرونی امداد پر بھروسہ نہیں کیا جائے گا... آج سے پوری قوم اپنے پیروں پر کھڑی ہونے کی بھرپور کوشش شروع کرے گی... ہم کوئی غیر ملکی امداد نہیں لیں گے... کم از کم غیر اسلامی ملکوں سے... اسلامی ملک ہمارے بھائی ہیں... ان سے لیا بھی جائے گا اور انھیں دیا بھی جائے گا۔"

صدر صاحب کے اس اعلان نے پوری دنیا کو حیرت میں ڈال دیا... کیونکہ پچاس سال سے پاک لینڈ غیر ملکی امداد کے سہارے چل رہا تھا... اچانک اتنا بڑا اعلان کر دینا کوئی آسان کام نہیں تھا... لوگ حیران نہ ہوتے تو کیا

کرتے... لیکن صدر صاحب تو یہ سب کچھ انسپکٹر جمشید کے مشورے سے کر رہے تھے... اپنے وزیروں اور مشیروں کے مشورے سے نہیں اور اگر ان سے مشورہ لیا جاتا تو ان کی طرف سے بھی مشورہ ملتا کہ وزیر خارجہ کو فوراً چھوڑ دیا جائے... ورنہ یہ ہو جائے گا.... اور وہ ہو جائے گا...

دوسرے دن شہر کا سب سے بڑا میدان عوام سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا... میدان کے بالکل درمیان میں ایک بہت اونچا سٹیج لگایا گیا تھا... تاکہ سب لوگ آسانی سے اس منظر کو دیکھ سکیں... دنیا بھر کے اخباری نمائندے... اور ٹیلی ویژن کے نمائندے یہاں موجود تھے... آخر کار لوگوں کا انتظار ختم ہوا... وزیر خارجہ کو ایک بند گاڑی میں لایا گیا، گاڑی سیدھی سٹیج تک آ گئی... اس کے لیے پہلے ہی راستا چھوڑ دیا گیا... تمام بڑے چھوٹے سرکاری آفیسر وہاں موجود تھے... وزیر خارجہ کو سٹیج پر لگائے گئے فریم کے ساتھ جکڑ دیا گیا... اس کا رنگ ہلدی کی طرح زرد ہو رہا تھا... اس نے کئی بار منہ سے کچھ کہنے کی کوشش کی... لیکن کچھ نہ کہہ سکا... شاید اس کی زبان میں حرکت کرنے کی بھی طاقت نہیں رہ گئی تھی... اور پھر اس پر کوڑے برسنے

لگے ... اس کی چیخیں سپیکروں کے ذریعے میدان کے ہر گوشے میں پہنچنے لگیں ... عوام کے ہجوم میں کھڑے غدار یا دوسرے شہروں میں ٹی وی کے سامنے بیٹھے ہوئے غدار قسم کے لوگ کانپ کانپ گئے ...

جب تک وزیر خارجہ کی گردن ڈھلک نہ گئی ... اس وقت تک اس پر کوڑے برستے رہے ... پھر ڈاکٹر نے اس کی نبض چیک کی اور اس کی موت واقع ہونے کا اعلان کیا ... ساتھ ہی صدر صاحب کی آواز گونجی :

"اس سزا کے ساتھ ساتھ وزیر خارجہ کی تمام جاگیر غریبوں میں تقسیم کرنے کا اعلان کیا جاتا ہے ... جاگیر انھی غریبوں میں تقسیم ہو گی جو اس پر کاشت کرتے رہے ہیں ... ان تمام کے نام پہلے ہی حاصل کر لیے گئے ہیں ... لہذا برابر کے حصے کے مطابق زمین ان میں بانٹ دی جائے گی ... کل شام تک یہ کام بھی ہو جائے گا ... زمین کی تقسیم کا کام انسپکٹر جمشید کریں گے ... اس کے ساتھ ہی یہ اعلان بھی سُن لیں کہ وزیر خارجہ کے گھر کے افراد بھی جرم میں شریک تھے ... لہذا انھیں جلا وطن کیا جا رہا ہے۔" اس اعلان سے پورا میدان واہ واہ کی آوازوں سے گونجنے لگا ... اور اس طرح یہ کام مکمل ہوا ...

انشارجہ اور اس کے ساتھی ملکوں نے اس واقعے کے نتیجے میں پاک لینڈ کا بالکل بائیکاٹ کر دیا... لیکن ملک میں انسپکٹر جمشید جیسے لوگ موجود تھے... انھوں نے بچت اور فضول خرچیوں سے پرہیز کے ایسے حیرت انگیز طریقے اختیار کیے کہ سب لوگ حیرت زدہ رہ گئے... اور چند ماہ میں ہی ملک ترقی کے راستے پر کچھ اس ڈھب سے گامزن ہو گیا... یہ حیرت انگیز تبدیلی دیکھ کر انشارجہ وغیرہ کو عقل آ گئی اور ایک دن انشارجہ کے صدر کا فون صدر مملکت کو موصول ہوا:

"انشارجہ حکومت کو بہت افسوس ہے... چند غلط لوگوں کے مشوروں پر آپ کی امداد بند کی گئی... لیکن اب ہم آپ کی امداد بحال کر رہے ہیں... آپ ہمارے ملک کا دورہ کریں... مذاکرات ہو جائیں گے۔"

"میں دورہ کرنے تو آ سکتا ہوں... اور مذاکرات بھی کر لوں گا جناب... لیکن اب ہمیں امداد کی قطعاً ضرورت نہیں رہی زندگی میں پہلی بار تو قوم اپنی مدد آپ کے اصول پہ گامزن ہوئی ہے... اگر اسے ایک بار پھر انشارجہ کی امداد بحال ہونے کی خبر سنا دی گئی تو اس کا یہ جذبہ ہمیشہ کے لیے سرد پڑ جائے گا اور پھر شاید جگائے نہ جاگے... کہنے کا

مطلب یہ کہ اب ہم آپ کی امداد کے بغیر زندہ رہنے کا
گُر سیکھ گئے ہیں... اور امداد لے کر کیا کریں گے... شکریہ!"
ان الفاظ کے ساتھ ہی انھوں نے ریسیور رکھ دیا...
دوسرے دن فون پر ہونے والی گفتگو اخبارات میں شائع ہوئی،
قوم نے خبر پڑھی تو بہت ہنسے... اور یہ سب کچھ وطن کے
ایک سچے ہمدرد کی سوچ کی وجہ سے ہوا تھا... اور وہ
سوچ تھی انسپکٹر جمشید کی...